# صحافتی زبان




مسکین حجازی

# صحافتی زبان

مسکین علی حجازی
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ صحافت
پنجاب یونیورسٹی لاہور

سنگ میل پبلی کیشنز۔ چوک اردو بازار۔ لاہور

قیمت ——— ۱۰ روپے

باراول ——— جون ۱۹۷۵ء

پبلشرز ——— نیاز احمد

سنگ میل پبلی کیشنز

چوک اردو بازار۔ لاہور

پرنٹر ——— نذیر حسین

ندرت پرنٹرز۔ لاہور

چھوٹی بچی

سعدیہ

کے نام

مسکین علی حجازی

# فہرست

# پیش لفظ

اُردو میں صحافت کی تاریخ پر بہت سی کتابیں مل جاتی ہیں لیکن صحافتی زبان پر مسکین علی حجازی کی کتاب کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔

زبان اظہار کا وسیلہ ہے۔ ادبی ابلاغ اور ابلاغ عامہ کے فنّی اور درجاتی فرق کے باوصف دونوں کے لئے زبان پر دسترس شرطِ اوّلین ہے اس لحاظ سے ادیب اور صحافی دونوں کے لئے زبان کا خام مواد اظہار مطالب کا رکنِ اوّل قرار پاتا ہے ادب اور صحافت میں فصاحت و بلاغت کا وُہ معیار جس میں قاری کا فرضی یا اصلی رشتہ شعوری یا غیر شعوری طور پر بہر حال پیشِ نظر رہتا ہے، ترسیلِ مطالب داخل سے خارج کا ایک طویل سفر ہے۔ وسیع تر معنوں میں ادیب اور صحافی ایک ہی لسانی سانچے کے سہارے اپنے اپنے افکار کو اظہار میں لاتے ہیں اس لحاظ سے ادب اور صحافت میں کوئی فرق نہیں۔ تاہم ادب اور صحافت کے واضح حلقہ ہائے اثر ہیں۔ ادب کا قاری اپنی فنی تربیت، تخلیقی سطح پر متاثر ہونے کی اہلیت اور اقدارِ ادب کی سابقہ روایات سے آگاہی کی بنا پر اس قاری سے مختلف ہے جس کی تعلیمی استعداد، زندگی کو دیکھنے اور پرکھنے کا شعور اور جذبات و احساسات کی تربیت و تہذیب کی منازل جداگانہ پیرایۂ اظہار کی محتاج ہیں۔ ادب کا حلقۂ قارئین اور اخبار کا حلقۂ قارئین ایک دُوسرے کے راستے کاٹنے کے باوجود اور علم و ادب اور علوم و فنون کے بیش از بیش فروغ کے باوصف آج بھی الگ پہچانا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے جب یہ کہا جائے گا کہ ادب پراگندہ ہوتا ہے اور یہ بھی کہا جائے گا

کہ صحافت پراپیگنڈہ ہے تو تیسرا منطقی نتیجہ نکالتے وقت کہ ادب صحافت ہے۔ اس منطقی مغالطے کی شناخت بھی ضروری ہوگی کہ ادب کو پراپیگنڈہ کہتے وقت کیا مفہوم پیشِ نظر تھا اور صحافت کو پراپیگنڈہ قرار دیتے وقت پراپیگنڈہ کو کس سیاق و سباق میں برتا گیا ہے؟ ادبی ادب اور صحافتی ادب کا فرق پیرایۂ اظہار کا فرق بھی ہے اور قاری کی ذہنی سطح کا فرق بھی۔ اس لئے ادبی ادب اور صحافتی ادب' کے تقاضے مختلف ہو جائیں گے۔

اُردو صحافت کے آغاز میں ادیبوں نے اس کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ لیکن اس صحافت کا قاری ادب کے قاری سے مختلف نہ تھا۔ اس لئے ابتدائی اخبار نویسی ادبی معیاروں اور ادبی نثر نویسی کے جملہ لوازم سے روشناس تھی۔ اُس وقت صحافت پیشے کے طور پر جداگانہ طور پر متشخص نہ ہوئی تھی۔ اور اس اعتبار سے صحافت ادب ہی کی ترجمانی اور ترسیل کا فریضہ ادا کرتی رہی۔ لیکن اُنیسویں صدی کے آخر میں ادبی پرچوں اور ادبی اخباروں کی جگہ عام اخبارات نے لے لی۔ خبریّت کا عنصر لازمۂ صحافت ہو جانے سے ادبی نثر نویسی کی جگہ اخباری نثر نویسی کو فروغ حاصل ہوا اور عبارت آرائی کی جگہ مطلب نویسی کو اہمیت ملی۔ زبان و بیان کے عام اور متعارف سانچے صحافت کا جزوِ لازم ہوئے۔ اخبار عالموں کی ملکیت نہ رہے اور معمولی علمی استعداد کا قاری بھی اخبار بینی کے شوق میں ملک ملک کی خبروں اور اپنے گرد و پیش کی زندگی سے واقفیت حاصل کرنے پر اصرار کرنے لگا۔ اخبار نویس کو علمیت کے کوہِ ہمالیہ سے نیچے اُتر کر اپنی بات قاری کی سطح اور علم کے مطابق کہنی پڑی۔ ملکی اخبارات کے اظہار و بیان کے راستے ادبی رسائل کے زبان و بیان سے مختلف ہو گئے۔ اور صحافت نے ابلاغِ عامہ کا وسیلہ بن کر اپنے قارئین کا حلقہ وسیع کر لیا۔

اس حقیقت کے باوجود کہ آج بھی بہت سے ادیب اخبار نویسی کے پیشے سے منسلک ہیں اور ادب و صحافت کے ہر دو میدان ادیبوں کی دسترس میں ہیں۔ اخبار نویسی کا پیشہ بطور فن ایک مستقل ادارے کی شکل اختیار کر چکا ہے صحافتی تربیت کے لئے الگ ادارے موجود ہیں۔ اس لئے ادبی نثر کے مقابلے میں صحافتی نثر کا اپنا الگ سرمایۂ ادب تخلیق ہونے لگا ہے تو اس پر کسی استعجاب یا تحقیری رویّے کی ضرورت نہیں۔ اسلوب سکّہ بند ادیبوں کی میراث نہیں۔ صحافتی اُردو میں بھی وُہ توانائی اور برنائی موجود ہے جو اچھّے تخلیقی ادب پارے کا سرمایۂ نازش ہے۔ یہاں بھی صاحبِ طرز صحافی ہُوئے ہیں۔

تجارتی اور کاروباری پابندیوں کے باوجود فن کار کا تخلیقی شعور اظہار کا راستہ نکال لیتا ہے۔ آج کی روزانہ صحافت میں ادبی صفحات کی کثرت نے ایک بار پھر ادب اور صحافت کے بُعد کو ختم کرنے کی ٹھانی ہے۔ اور ادبی موضوعات بھی روزناموں کی حدُود میں شامل ہو گئے ہیں۔ ایسے میں جہاں ادب اور صحافت کو ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھنے میں مدد ملے گی وہاں صحافت میں ادبی اقدار کی بازیافت کا عمل بھی پہلے سے کہیں زیادہ سرعت سے ہو رہا ہے۔ اس سے صحافتی نثر کو ادبی نثر کے خصائص اپناتے اور اظہار و بیان کے لئے نئے تجربے کرنے کا موقع ملے گا۔ اور ہو سکتا ہے اس سنجوگ سے اسالیب کی کچھ نئی راہیں بھی نکل آئیں لیکن ابھی فاصلے زیادہ ہیں اور صحافتی نثر کے اسالیب، ادبی نثر کے اسالیب سے الگ صاف پہچانے جا سکتے ہیں۔

اخبار کا قاری اور ادب کا قاری حقائق کی دُنیا کے باشندے ہیں لیکن اپنے داخلی رویّوں کی وجہ سے ایک دُوسرے سے کسی حد تک مختلف بھی ہیں۔ ادب کی حقیقت پسندی تخلیقی سطح پر بھی ممکن ہے لیکن صحافت کی حقیقت پسندی صرف

امرِ واقع پر منحصر ہے ۔ زندگی کا خام مواد ادیب اور صحافی دونوں کے لئے اہم ہے لیکن اس خام مواد میں عصری واقعات کی اہمیت اور ترسیل صحافت کا موضوع خاص ہے ۔ ادب کا قاری، واقعات کی مُبالغہ آمیز تفہیم، تخیلی تعبیر، انفرادیت اور شخصی اور داخلی ردّ عمل کی تحلیل و تشکیل پر زیادہ توجّہ کرتا ہے ۔ اس کا جذباتی رَوّیہ ذات کے داخلی عمل پر مُنحصر ہے اس کے مقابلے میں صحافت کا قاری ذات کے خارجی عمل پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے ۔ اس لئے دونوں رویّوں کے فرق کی وجہ سے ان کے درمیان اختلاف زیادہ ہوگیا ۔ یہ فرق دراصل اس کا ہے کہ ادیب کا سفر خارج سے داخل کی طرف اور صحافی کا داخل سے خارج کی طرف ہے ۔ اخبار کے قاری کے لئے خبر اہم ہے اور داخلی تجربہ ثانوی حیثیت رکھتا ہے ۔ ادب کے قاری کے لئے خارجی زندگی کا تار و پود داخلی ردِّ عمل کا مُحرّک و مُہیج ہے اور اس کی اہمیّت صرف داخلی حوالے سے ہے ۔ صحافت میں رویّے کا یہ فرق طریق کار کا فرق بھی ہے ۔ اس لئے اس فن میں زبان اور اس کے لسانی سانچے ابلاغِ عامہ کے لئے ادب کے مقابلے میں کہیں زیادہ مشق و مزاولت اور شعوری کوشش کے متقاضی ہیں ۔ ہر اخبار اپنے قارئین کا حلقۂ خاص بناتا ہے ۔ یہی قاری صحافی کا خاص قاری ہے اور اس کے مزاج اور استعداد کے مطابق صحافی اخباری زبان کا تار و پود تیار کرتا ہے ۔ یہ شعوری عمل اپنی ذات سے باہر کے تشخّص پر منحصر ہے ۔ رفتہ رفتہ ادب کی طرح جب اُسے لسانی ذرائع پر عُبور ہو جاتا ہے اور قاری کی ذہنی سطح سے پُوری واقفیّت ہو جاتی ہے تو صحافی اپنے اسلوب کے فنّی پیرایوں کو داخلی طرزِ احساس سے ہم آہنگ کرسکتا ہے ۔ بہر حال اُسے اپنے فن کی تکمیل کے لئے اس طرح کے تجربات سے گزرنا پڑتا ہے جن سے ادیب اور شاعر دو چار ہوتا ہے ۔

تخلیقِ ادب میں دو مرحلے ناگزیر ہیں ۔ ادیب یا شاعر کو اوّل زبان پر قدرت

حاصل کرنی پڑتی ہے - ابلاغ کے بعد ہی ادیب کے اچھے ماہر ہونے کا فیصلہ ممکن ہے دوسرا مرحلہ فنی تکنیک کی تربیت کا ہے جس کے ذریعے ادیب اپنے ہُنر کی تکمیل کرتا ہے اِن دو مراحل کے بعد ادبی سطح پر تخلیق کا مرحلہ آتا ہے - اسی طرح صحافی کو بھی تربیت کے دو ابتدائی مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے اوّل زبان پر قدرت اور دوسرے صحافت کی تکنیک سے کامل آگاہی - صحافت مُستقل فن ہے - ایک زمانہ تھا کہ اخبار نویس کی تدریس کے لئے کوئی مُستقل نصاب بھی نہ تھا اور مستقل ادارہ بھی نہیں تھا - ہر اخبار نویس اخبار کے دفتر میں عملی تجربے کے وسیلے سے خود ہی فن کی باریکیوں سے روشناس ہو جاتا تھا - اور اس طرح اخبار نویس کی عملی زندگی ہی اس کی تربیت گاہ تھی - اب صحافت ایک مستقل پیشہ اور صحافت نگاری ایک مستقل فن ہے -

صحافت کے نظری پہلوؤں سے متعلق مستقل کتابیں لکھی جا رہی ہیں - انگریزی کے علاوہ اس فن پر اردو میں بھی کتابوں کی تدوین و اشاعت تیز رفتاری سے ہو رہی ہے - لیکن جملہ تصنیفی سرمائے کا تعلق مرحلۂ ثانی سے ہے - مرحلۂ اوّل یعنی ان لسانی امور سے واقفیت پر اردو میں کوئی کتاب نہ تھی - صحافتی زبان اور صحافتی اسالیب کی تربیت کے لئے اخباروں کی تجربہ گاہیں تھیں یا زبان کے موضوع پر اساتذۂ ادب کی کتابیں یا پھر گرامر کا وہ ذخیرہ تھا جو اردو زبان سیکھنے کے لئے ملکی اور غیر ملکی طالب العلم استعمال کرتے ہیں - ان کتب میں صحافی کی ضرورتوں کا مُطلق لحاظ نہیں تھا - ان میں درج شدہ بعض مسائل وہ مبادیات ہیں جو ہر صحافی اپنی ابتدائی مکتبی تعلیم میں پہلے ہی سے جانتا ہے یا بعض ایسے دقیق مسائل ہیں جن کی ضرورت صرف ماہرین قواعد ہی کو ہو سکتی ہے - اس فالتو مواد کو نکال کر صرف صحافی کی ضرورتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک نئی کتاب کی تدوین اشد ضروری تھی - جس میں زبان و بیان کے ادبی معیاروں اور گرامر کے اصولوں کی تفصیلات کے علاوہ روزمرے،

محاورے، ضرب الامثال، اصولِ اوقاف و رموز، ترجمے کے فن اور زبان و بیان سے متعلق دوسرے اہم نکات کو بھی پیش کیا جاتا ۔ مسکین علی حجازی نے جو ادب و صحافت دونوں دریاؤں کے شناور ہیں ۔ اس اہم خدمت کو انجام دیا ہے۔ ان کی یہ تصنیف اپنے موضوع پر اردو میں پہلی مستقل کتاب ہے۔ مسکین علی حجازی ادب کے طالب العلم بھی رہے ہیں اور صحافت کے اس عملی خارزار سے بھی گزر چکے ہیں جو ہمارے ملک میں صحافت کی اوّلین تربیت گاہ تھی، پھر انہوں نے صحافت کی نظری تعلیم بھی جامعۂ پنجاب سے حاصل کی اور اب وہ اس شعبہ سے استاد کی حیثیت سے منسلک ہیں ۔ اردو زبان و ادب کی تکمیل کے ساتھ صحافت کا عملی تجربہ اور صحافت کے تجربے کے ساتھ فنِ صحافت کا پیشہ ورانہ اختصاص اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ صحافتی اردو پر لکھنے کے لئے جس تجربے اور علم کی ضرورت تھی ۔ وہ انہیں بخوبی حاصل ہے ۔ اُنہوں نے مطالعے، مشاہدے، تجربے اور اختصاص کی مدد سے صحافت کے ایک ایسے اہم پہلو پر قلم اٹھایا ہے جس کی ضرورت اور اہمیت کسی لحاظ سے بھی تاریخِ صحافت، اصولِ صحافت، ابلاغِ عامہ سے کم نہیں ہے میری رائے میں اُنہوں نے یہ کتاب لکھ کر صحافتی ضرورتوں ہی کو پورا نہیں کیا بلکہ اردو کی فنی کتابوں کے سرمایۓ میں ایک اہم اور قابلِ قدر اضافہ کیا ہے ۔ بنے بنائے موضوع اور گھڑے گھڑائے راستے پر چلنا بہت آسان ہوتا ہے ۔ پہلے سے لکھی ہوئی کتابوں کے عقب میں ایک نئی کتاب مدوّن کر لینا بہت آسان ہوتا ہے ۔ لیکن حجازی نے یہ سہل راستہ اختیار نہیں اور اپنے تجربے سے صحافیوں کی مشکلات کا اندازہ کیا ہے ۔ ان کی ضرورتوں کو سامنے رکھا ہے اور صحافتی اردو کو مستقل مضمون کے طور پر شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ وقت اور تجربے کے ساتھ ساتھ اس موضوع پر یقیناً اضافے بھی

ہوتے رہیں گے ۔ خود حجازی صاحب کے نقشِ اوّل میں قطع و برید اور نظرِ ثانی سے نقشِ ثانی کی بنا بھی پڑتی رہے گی ۔ اور ان کے حاشے اس موضوع میں نئی نئی باریکیاں پیدا کرنے کا سبب بھی ہوں گے ۔ لیکن حجازی صاحب کا کارنامہ اس لحاظ سے ہمیشہ باوقار رہے گا کہ انہوں نے فنِ صحافت کے اس موضوعِ خاص پر سب سے پہلے لکھا اور حق یہ ہے کہ موضوع کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ۔

میں اس اہم علمی کارنامے پر فاضل مصنّف کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں ۔

ڈاکٹر وحید قریشی

# حرفِ آغاز

پاکستان کے موجودہ آئین کی رو سے اُردو پندرہ سال کے عرصے میں قومی زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل طور پر رائج ہو جائے گی۔ پنجاب۔ بلوچستان اور سرحد میں اردو سرکاری زبان قرار پا چکی ہے۔ پنجاب میں اردو کو جلد دفتری زبان بنانے کا فیصلہ اور اعلان ہو چکا ہے۔ آزاد کشمیر، سرحد اور بلوچستان میں سرکاری اور دفتری کارروائی پہلے ہی اردو میں ہو رہی ہے۔ آثار بتا رہے ہیں کہ اُردو پندرہ سال سے پہلے ہی ملک کی سرکاری اور دفتری زبان بن جائے گی۔ عوامی سطح پر انگریزی کا استعمال غیر مقبول ہو چکا ہے اب کسی مجلس مذاکرہ یا جلسۂ عام میں انگریزی شاذ و نادر ہی بولی جاتی ہے۔ حالانکہ چند سال پہلے اصحابِ اقتدار۔ افسر اور ماہرین عموماً انگریزی ہی میں اظہار خیال کرتے تھے اب قومی اسمبلی میں بھی زیادہ تقریریں اردو ہی میں ہوتی ہیں۔ صدر مملکت، وزیر اعظم اور حکومت کے دوسرے ذمہ دار ارکان عوام سے اردو ہی میں خطاب کرتے ہیں۔ حکومت نے وقت کے تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے وفاقی شعبہ تعلقات عامہ کے زیر تربیت افسروں کے نصاب میں ایک پرچہ "صحافتی اردو" شامل کر دیا ہے۔ اکیڈیمی برائے انتظامی تربیت میں "دفتری اردو" نصاب میں شامل ہو چکی ہے۔ وزارتِ اطلاعات و نشریات سے وابستہ افراد کو اندرونِ ملک زیادہ کام اردو میں کرنا ہوتا ہے۔ وقت گزرنے

کے ساتھ ساتھ اردو میں ہونے والے کام میں اضافہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ اب تعلقات عامہ کے شعبوں اور وزارتِ اطلاعات و نشریات سے وابستہ تمام افراد کے لئے قومی زبان جاننا ضروری ہو گیا ہے۔ دوسرے محکموں سے وابستہ حکام اور افراد بھی اب قومی زبان سے ناواقف رہ کر کام نہیں کر سکیں گے۔

اردو میں اب تمام سائنسی علوم و فنون پر کتابیں موجود ہیں۔ مرکزی اردو بورڈ اردو اکیڈمی۔ دفتری زبان کمیٹی اور دوسرے بہت سے اداروں نے نئے علوم و فنون پر اردو میں خاطر خواہ مواد تیار کر دیا ہے۔ اکثر علوم اور فنون کی اصطلاحات بھی وضع ہو چکی ہیں۔ مشاہدہ میں آیا ہے کہ نوجوان افسروں کی اردو سے واقفیت کم نہیں ہوتی۔ لیکن انہیں اردو پر عبور حاصل ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔ بعض افسر واقعی اردو سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اردو ایک مشکل زبان ہے اور وہ اس میں اپنے خیالات کے اظہار پر قادر نہیں ہو سکتے۔ وہ عربی اور فارسی کے مشکل الفاظ سے بدکتے ہیں۔ لیکن جب انہیں یہ بتایا جائے کہ اب اردو میں ہر طرح کے مطالب آسان الفاظ میں ادا کئے جا سکتے ہیں۔ تو ان کو اس پر خوشگوار حیرت ہوتی ہے اور وہ خوشدلی سے اردو میں اظہار کی مہارت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگرچہ اردو سیکھنے کے لئے بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ مگر ایک ایسی کتاب کی اشد ضرورت ہے۔ جو اعلیٰ تعلیم یافتہ لیکن اردو پر دسترس نہ رکھنے والے افراد کے لئے "گائیڈ" کا کام دے سکے۔ اردو کے اساتذہ کو یہ کمی پوری کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیئے وابلاغِ عام کے مختلف اداروں، محکمہ ہائے اطلاعات و تعلقات عامہ سے وابستہ افراد کی ضرورت یہ ہے کہ اردو میں آسانی سے اظہار خیال کر سکیں۔

جو انگریزی دان اصحاب اردو پر دسترس نہیں رکھتے وہ سب سے زیادہ مشکل اصطلاحات اور املا کے سلسلے میں محسوس کرتے ہیں۔ ان کو زیادہ دقت ہم آواز حروف

یا الفاظ میں تمیز کرنے میں پیش آتی ہے۔ لکھتے وقت بھی ان کو یہی مشکل درپیش ہوتی ہے مروجہ انگریزی اصطلاحات، روزمرہ استعمال ہوتے والے کلمات، ضرب الامثال، محاورات، تلمیحات مترادفات اور زبان کی اصطلاحات کے اردو متبادل جاننا ان کی اہم ضرورت ہے۔ اس کتاب میں ان کی اسی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ مختلف شعبوں اور دفتروں سے تعلق رکھنے والے افسر اور دوسرے افراد حسب ضرورت اور بوقتِ ضرورت اردو میں اپنے خیالات ظاہر کر سکیں۔

اس امر کے پیش نظر اس کتاب کو صحافتی اردو کا نام دیا گیا ہے۔ کیونکہ صحافتی مواد میں ہر روز زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق خبریں، تبصرے اور مضامین چھپتے ہیں جن میں ہر طرح کے مطالب ادا کئے جاتے ہیں اور اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔

مسکین علی حجازی

# صحافت اور ادب میں فرق

صحافت کی زبان اور علمی و ادبی زبان کا فرق سمجھنے سے پہلے صحافت اور ادب کے فرق کا جائزہ لینا ضروری ہے ۔اس وقت صحافت اور ادب میں واضح فرق موجود ہے اور اس فرق کو تسلیم کر لیا گیا ہے ۔لیکن ماضی میں صحافت اور ادب کو ایک ہی چیز سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت بھی کچھ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ اعلیٰ پایہ کی صحافت اور اعلیٰ پایہ کے ادب میں فرق نہیں ہے ۔دونوں میں ہمیشہ برقرار رہنے والی قدریں موجود ہوتی ہیں ۔دونوں کے محرک احساسات جذبات اور مشاہدات ہیں۔ یہ بات اس لحاظ سے صحیح ہے کہ دونوں میں ایک بنیادی مشترک قدر موجود ہے ۔صحافت معاشرے اور زمانے کی عکاس ہے ۔اور صحیح قسم کی صحافت اپنے دور کی تاریخ کہلاتی ہے ۔بلند پایہ ادب کی بھی ایک اہم خوبی یہی ہوتی ہے ۔ اس میں رُوحِ عصر موجود نہ ہو تو اس کو مستقل مقام حاصل نہیں ہوتا۔

معیاری صحافت انسانوں کے معاملات و مسائل کو سمجھنے سمجھانے اور ان کو حل کرنے کی کوشش کا نام ہے ۔گویا اعلیٰ پایہ کی صحافت کا مقصد انسانیت کی خدمت ہے ۔

ویت نام میں انسانی خون کی ارزانی ہر ملک کے اخبارات و جرائد میں موضوع بحث بنی رہی ۔کم و بیش سب ملکوں کے صحافیوں نے اس قتل و غارتگری کو ختم کرنے پہ زور دیا ۔کسی نے کم، کسی نے زیادہ ۔اسی طرح ادیبوں، شاعروں اور عالموں نے بھی ویت نام کی جنگ کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ اور اپنے اپنے انداز میں جنگ کی

مخالفت کی۔کسی نے کم ،کسی نے زیادہ ۔فلسطینیوں اور عربوں پر اسرائیل کے وحشیانہ ظلم اور بھارت میں خونِ مسلم کی ارزانی پر بھی صحافی اور ادیب کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہے معیاری صحافت انسانی مسائل کے حل کا راستہ بتاتی ہے ۔عوام اور حکام کی راہنمائی کرتی ہے ۔اعلیٰ پایہ کے ادب کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے ۔ادیب ذرا مختلف انداز میں معاشرے اور حالات کو تبدیل کر کے اپنے تصور کے مطابق بنانے کے آرزومند ہوتے ہیں۔معیاری صحافت ظلم ،ناانصافی اور استحصال کے خاتمے اور بلند انسانی اقدار کے فروغ کو اپنا مشن بناتی ہے ۔اس طرح معیاری ادب میں بھی ذرا مختلف انداز میں انہی مقاصد کی تکمیل کے لئے جدوجہد کی جاتی ہے ۔اگر صحافت کو معیاری صحافت ،مقبولِ عام صحافت اور زرد صحافت ایسی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے تو ادب کو بھی صحت مند ادب یا معیاری ادب ،مقبول عام ادب غیر صحت مند گھٹیا اور فحش ادب ایسی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے صحافت کی پیشکش کے ذرائع بھی وہی ہیں جو ادب کی پیش کش کے ہیں۔ادب کتابوں کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے ۔ریڈیو ٹیلی ویژن وغیرہ کی قدیم ترین اور مؤثر صورت مطبوعہ صورت ہی ہے تاہم ریڈیائی صحافت اور ٹیلی ویژن صحافت بھی وجود میں آچکی ہے ۔روزنامہ اخبارات میں اب بھی گاہے بگاہے ادبی تخلیقات شائع ہوتی رہتی ہیں۔اس طرح ادبی جرائد میں بھی بعض ایسے سیاسی یا معاشرتی مسائل پر اظہار خیال کیا جاتا ہے ۔جو صحافت کے دائرہ میں آتے ہیں۔

ادب میں بھی اچھے برے یا دلچسپ کردار پیش کئے جاتے ہیں اور صحافت میں بھی اچھے برے ہر طرح کے لوگ خبروں ،تبصروں اور فیچروں کی زینت بنتے ہیں ۔

ادب اور صحافت کی ان مشترک قدروں کی وجہ سے طویل مدت تک ادب اور صحافت میں فرق محسوس نہ کیا گیا ادبی ۔علمی تخلیقات اخبارات و جرائد میں چھپنے لگیں ۔درپیش مسائل پر بلند پایہ صحافی عالمانہ انداز میں اظہار خیال کرتے رہے ۔چنانچہ رسائل ۔جرائد

کی صحافت کو ادبی صحافت کہا جاتا رہا۔ بعض لوگ اسی بات کو دوسرے انداز میں بیان کرتے ہوئے اسے صحافتی ادب قرار دیتے رہے۔ کچھ لوگ صحافت کو ادب کا تعارف یا ادب کی تربیت گاہ قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے نامور اہل قلم صحافت کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے۔ اور علم و ادب کے آسمان پر ستاروں کی طرح چمکے۔ صحافت سے وابستہ افراد کو آئے دن مختلف معاملات و مسائل پر اظہار خیال کرنا ہوتا ہے اس طرح ان کو معاملات اور مسائل کے فہم تجزیے۔ ان کو مؤثر طور پر بیان کرنے اور زبان پر عبور حاصل کرنے کی تربیت ملتی ہے۔ مسلسل پڑھتے اور لکھتے رہنے سے علم میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور زورِ قلم میں بھی۔

**فرق:** صحافت اور ادب کی ان مشترک قدروں کے باوجود دونوں میں فرق بھی موجود ہے۔ صحافت میں واقفیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے یعنی اخبارات میں جو کچھ چھپے وہ صحیح ہونا ضروری ہے۔ خبریں صحیح ہونی چاہئیں۔ تبصرے بے لاگ اور دیانتدارانہ ہونے چاہئیں۔ معلومات، نام، اعداد و شمار۔ اندازے۔ غرض سب کچھ صحیح ہونا چاہیئے۔ اس بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ صحافت میں صحت واقعات کی موجودگی لازمی ہے۔ لیکن ادب میں واقعیت کی موجودگی لازمی نہیں۔ ابتدائی دور کا ادب مافوق الفطرت واقعات اور کرداروں پر مشتمل ہے۔ البتہ موجودہ دور میں یہ ضروری سمجھا جاتا ہے، کہ ادب میں پیش کی جانے والی کوئی بات غیر فطری نہیں ہونی چاہیئے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ افسانے، ڈرامے، ناول وغیرہ واقعات پیش کئے گئے ہوں۔ وہ حقیقتاً رونما ہوئے ہوں۔ یا ان میں جو کردار پیش کئے گئے ہوں۔ وہ واقعی موجود ہوں۔ گویا ادب میں اس واقعیت کی قید نہیں ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس میں غیر فطری پن نہ ہو۔ ادب کی بعض اور صورتوں مثلاً شاعری کا بھی یہی عالم ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ شاعر جو کچھ کہے

اس کی بنیاد واقعیت پر ہو۔ شاعر مبالغہ بھی کر سکتا ہے۔ فرضی واقعات بیان کر سکتا ہے، اپنے کسی خیال کو نظم کی شکل دے سکتا ہے۔ شاعری میں مبالغہ تو ہوتا ہی ہے۔ خیالات و افکار میں ترتیب بھی ضروری نہیں سمجھی جاتی۔ لیکن صحافت میں اس قسم کے مبالغے یا بے ترتیبی کی گنجائش نہیں ہے۔

ادب اور صحافت میں ایک اور اہم فرق حالات اور واقعات کے بیان کا فرق ہے۔ صحافی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خبروں کی صورت میں جو کچھ بیان کرے معروضی طور پر کرے۔ یعنی اس میں اپنے جذبات اور احساسات شامل نہ کرے۔ خبر کا بے لاگ اور غیر جانبدارانہ ہونا ضروری ہے۔ ہر انسان حالات اور واقعات سے متاثر ہوتا ہے۔ حادثات۔ جرائم، جنگیں، قیام امن۔ محبت یا نفرت کی غیر معمولی صورت، مہم جوئی، اسرار، کشمکش، تلاش و جستجو۔ انفرادی۔ گروہی اور اجتماعی کامیابیاں یا ناکامیاں، سرگرمیاں، کارروائیاں انکشافات، عجائبات نوادرات ایجادات۔ غرض ہر قابل ذکر نئی یا غیر معمولی چیز صحافت کا موضوع بن سکتی ہے اور ادب کا بھی لیکن صحافی ان تمام چیزوں کو معروضی طور پر، غیر جانبداری کے ساتھ، بے لاگ انداز میں لکھے گا۔ وہ یہ نہیں بتائے گا کہ اس کا اپنا رد عمل کیا ہے۔ وہ ہر بات کا رد عمل قارئین پر چھوڑ دے گا۔ لیکن ادیب جب ان میں سے کسی چیز کو اپنی تخلیق کا موضوع بنائے گا تو وہ عموماً یہ بتائے گا کہ اس نے اسے کس طرح محسوس کیا ہے اس کا رد عمل کیا ہے گویا صحافت میں معروضیت Objectivity ہوتی ہے اور ادب میں داخلیت Subjectivity اور یہ ایک اہم فرق ہوتا ہے۔

ادب اور صحافت میں زمانی قدروں کا بھی فرق ہے۔ صحافت میں واقعات، حالات کی تازگی یا ہنگامیت ایک بنیادی شرط ہے۔

روزانہ صحافت میں تازگی یا قرب زمانی کی موجودگی لازمی ہے۔ اس لئے خبر کی ایک تعریف یہ ہے: 'دلچسپی کے حامل واقعہ کا فوری اور بے لاگ بیان'، اگر خبر کو فوری طور پہ بیان نہ کیا جائے تو وہ تازگی کے عنصر سے محروم ہو کر خبر کے معیار سے گر جاتی ہے۔ چوبیس گھنٹوں بعد شائع ہونے والے اخبار میں گزشتہ چوبیس گھنٹوں میں رونما ہونے والا واقعہ اگر خبر کی صورت میں جگہ نہیں پائے گا۔ تو وہ خبری اقدار سے محروم ہو جائے گا۔ اس پہ مبنی خبر باسی اور پرانی ہو جائے گی۔ بعض ترقی یافتہ ملکوں میں تو ایک دن میں اخبارات کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوتے ہیں۔ مثلاً صبح کا ایڈیشن، سہ پہر کا ایڈیشن، شام کا ایڈیشن وغیرہ۔ چنانچہ وہاں ہر ایڈیشن میں گزشتہ چند گھنٹوں کی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ صبح کو رونما ہونے والا واقعہ شام کے اخبار کے لئے خبر نہیں رہتا۔

خبروں کی طرح تبصروں، اداریوں اور مضمونوں کا بروقت اور برمحل ہونا بھی ضروری ہے۔ کسی اہم تازہ واقعہ پہ فوراً تبصرہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر تبصرہ بروقت نہ ہو۔ تو اس کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس ادب میں اس تازگی یا قرب زمانی کی قید نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ ادب کو متعلقہ دور کی روح کا مظہر ہونا چاہیے لیکن ادیب کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی واقعہ کے بارے میں اپنا ردعمل فوراً ظاہر کرے۔ ادیب کے ردعمل کا اظہار ہفتوں، مہینوں یا سالوں بعد بھی ہو سکتا ہے پھر ادیب کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ہر اہم واقعہ پر اظہار خیال کرے ادیب عموماً اہم رجحانات یا کرداروں کو اپنی تخلیقات کا موضوع بناتے ہیں۔ مثال کے طور پر زمانۂ جنگ میں ہر روز محاذ کی صورت حال اور فریقین کی کامیابیوں اور ناکامیوں کی خبریں اخبارات میں چھپتی ہیں۔ صحافی قیام امن پہ بھی زور دیتے ہیں۔ ادیب جنگ کے دوران یا جنگ ختم ہونے کے بعد اس موضوع پر قلم اٹھا سکتا ہے وہ جنگ کی تباہ کاریوں کو نمایاں

کر کے اپنے انداز میں جنگجوئی کی مذمت کر سکتا ہے۔

ادب اور صحافت میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ادیب کسی فلسفۂ زندگی کا پیروکار اور مبلغ ہو سکتا ہے۔ وہ دنیا یا اپنے معاشرے کو اپنے فلسفۂ زندگی کی عینک سے دیکھتا ہے۔ وہ انقلابی بھی ہو سکتا ہے۔ رجعت پسند بھی رجائیت پسند بھی ہو سکتا ہے اور قنوطی بھی۔ اس کی تخلیقات میں اُس کے فلسفہ زندگی کے اظہار کی گنجائش ہوتی ہے جمہوری ملکوں کی صحافت میں فلسفۂ حیات کی بجائے حکمت عملی اور پالیسی کارفرما ہوتی ہے۔ ہر اخبار مسلمہ اقدار اور متعلقہ قوانین کے دائرہ میں رہ کر ایک پالیسی یا نقطہ نظر اپنا سکتا ہے۔ لیکن عموماً یہ پالیسی درپیش مسائل کے حل سے متعلق ہوتی ہے اس کے باوجود بیشتر صحافتی مندرجات مثلاً خبروں کو بے لاگ اور غیر جانبدارانہ طور پر بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔

کچھ مدت پہلے تک صحافت شخصی صحافت کہلاتی تھی۔ کیونکہ پہلے نامور اہلِ علم اور اہلِ قلم اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے اخبار جاری کرتے تھے۔ اور اخباروں میں ان کی اپنی تحریروں ہی کو غالب حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ اگر کسی صحافی کی شخصیت کو اخبار سے علیحدہ کر دیا جاتا تو اخبار بے روح اور بے اثر ہو جاتا کم وبیش ہر ملک میں شخصی صحافت کا دور دورہ رہا ہے۔ ہمارے ہاں محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان اور مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافت شخصی صحافت کا نمونہ ہے۔ اس قسم کی صحافت میں ایسی انفرادیت ہوتی تھی۔ جو ادب کے لئے مخصوص ہے۔ اب صحافت اجتماعی بن چکی ہے اب اخبار ایک ایسا ادارہ ہے۔ جس میں ایک فرد کو غالب حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ بہت سی تحریریں گمنام افراد کی ہوتی ہیں۔ خبریں کئی لوگوں کی حاصل اور تیار کردہ ہوتی ہیں۔ اداریئے بھی مختلف لوگ لکھتے ہیں۔ اور ان پر کسی کا نام نہیں ہوتا۔ اس لئے اب اخبار کی رائے ایک شخصیت کی رائے نہیں ہوتی بلکہ ایک ادارے یا

مکتب فکر کی اجتماعی رائے ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ادب میں انفرادیت کی موجودگی اب بھی ممکن ہے۔ ادب تخلیق کرنے والا صاحب طرز ادیب ہو سکتا ہے اس کے خیالات انفرادی ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور کامیاب ادیب اور عالم کیوں نہ ہو۔

صحافت میں عموماً ہر روز زندگی، زمانے اور معاشرے کے وقتی پہلو زیر بحث آتے ہیں اور وہ بھی جزئیات کی صورت میں۔ بدعنوانی، چوری، قتل یا آتشزدگی کی خبر ایک واقعہ کی صورت میں اخبار میں چھپتی ہے۔ اس قسم کے واقعات پر تبصرہ کرتے وقت ان کو بحیثیت مجموعی پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تاہم اس واقعہ کی ہنگامیت اور اس کے غیر اجتماعی ہونے کا عنصر برقرار رہتا ہے گویا صحافت میں زیادہ تر عارضی اور وقتی مسائل زیر بحث آتے ہیں۔ اس کے برعکس ادب میں عموماً مستقل اور دائمی قدروں کو بحث کا موضوع بنایا جاتا ہے۔ ادیب قتل یا بدعنوانی کے ایک واقعہ کو موضوع بحث بنانے کی بجائے اس کو ایک اجتماعی مسئلہ کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ اور اسے ایک دائمی اور مستقل رجحان یا قدر بنا کر پیش کرتا ہے۔ صحیح اور معیاری صحافت کو عوام کی ترجمان قرار دیا جاتا ہے اور ہر اخبار عوام کا ترجمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ صحافت کا یہ دعویٰ بھی ہے۔ کہ وہ رائے عامہ کی تشکیل کرتی ہے۔ اگرچہ ادیب یا عالم بھی عوام کا ترجمان ہو سکتا ہے اور اس کی تخلیقات بھی عوام کی ترجمانی کر سکتی ہیں۔ تاہم ادیب کی سوچ انفرادی سوچ ہوتی ہے۔ اس کا جذبہ اپنا جذبہ ہوتا ہے آج کل رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے اخبارات ہی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ کیونکہ عوام کی رائے یا احساسات اور جذبات جب بھی اور جس شکل میں بھی ہوں، اخبارات میں خبروں اور تصویروں کی شکل میں جگہ پاتے ہیں۔ ادیب اپنے طور پر رائے عامہ کو مکمل طور پر جاننے کا اہتمام نہیں کر سکتا، چنانچہ اس کی طرف سے رائے عامہ کی ترجمانی کا دعویٰ غیر حقیقت پسندانہ

ہوگا۔ چنانچہ ادیب کا نقطۂ نظر انفرادی ہوتا ہے۔ جب کہ صحافی کا اجتماعی۔ اِسی لئے ادب اور صحافت میں وہی فرق ہوتا ہے جو انفرادیت اور اجتماعیت میں ہے۔

ادبی یا علمی تحریروں اور صحافتی تحریروں کی تخلیق کے عمل میں بھی فرق ہے۔ صحافی نے ہر روز یا مقررہ مدت میں اپنا کام نپٹانا ہوتا ہے۔ خبریں تیار کرنے والوں نے چند گھنٹوں میں اتنی خبریں تیار کرنا ہوتی ہیں کہ ان سے کاپی مکمل ہو جائے۔ اداریہ نویس نے مقررہ وقت میں اداریہ لکھنا ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اتنا جس سے مقررہ جگہ پر ہو جائے گویا صحافی کو جلدی جلدی کام کرنا ہوتا ہے۔ اس کے پاس سوچ بچار الفاظ کے انتخاب اور جملوں کی موزوں بندش کے لئے زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کی تحریروں میں ایک طرح کی سطحیت اور ضرورت سے زیادہ سادگی اور اختصار پایا جانا ایک فطری امر ہے۔ ادیب کو اس قسم کی جلدی نہیں ہوتی۔ وہ اس وقت لکھ سکتا ہے جب اس کا لکھنے کو جی چاہے۔ شاعر ایک مصرعہ موزوں کرنے پر کئی دن صرف کر سکتا ہے۔ عالم کسی نکتہ پر پہروں، دنوں بلکہ ہفتوں غور کر سکتا ہے۔ وہ فرصت کے وقت لکھ سکتا ہے ظاہر ہے کہ جلدی میں لکھی جانے والی اور سوچ سمجھ کر خاطر خواہ غور و خوض کے بعد خوش دلی اور آمادگی کے ساتھ لکھی جانے والی باتوں میں فرق ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیئے۔ ادب کی تخلیق کا عمل سہل روی سے عبارت ہے اور صحافت زود نویسی اور تیز نویسی کا نام ہے۔

ان تمام مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ادب اور صحافت میں کچھ مشترک قدریں موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود دونوں میں بنیادی فرق ہے۔ دونوں کی مقصدیت ہیئت، پیشکش اور اسلوب میں مسلمہ فرق ہے۔

# صحافتی زبان

صحافتی زبان یا عام زبان کی اصطلاح ہی یہ ظاہر کرتی ہے کہ صحافتی زبان اور علمی و ادبی زبان میں فرق ہوتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اصولی طور پر اس فرق کا ہونا ضروری نہیں۔ زبان علمی ہو۔ ادبی ہو یا صحافتی اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ یعنی لکھنے والا یا گفتگو کرنے والا کچھ کہنا چاہتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے مخاطب ہوتے ہیں اگر اس کی لکھی ہوئی یا کہی ہوئی بات پڑھنے یا سننے والے کی سمجھ میں آجاتی ہے اور اس کا ذہن وہی اثر قبول کرتا ہے۔ جو لکھنے یا کہنے والا پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو زبان کے استعمال کا مقصد پورا ہو جائیگا اس قسم کی زبان کو اصطلاح میں بلیغ کہا جاتا ہے اور مفہوم کی صحیح اور موثر ادائیگی کا فن بلاغت کہلاتا ہے۔ اگر لکھنے یا کہنے والے کی بات پڑھنے یا سننے والے کی سمجھ میں نہ آئے یا وہ پوری طرح نہ سمجھے یا غلط سمجھے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زبان کے استعمال کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ یا تو لکھنے یا کہنے والا صحیح اور مناسب الفاظ استعمال نہیں کرسکا۔ یا پھر پڑھنے یا سننے والا ان الفاظ کو سمجھ نہیں سکا۔

موجودہ دور ابلاغ عام کا دور ہے۔ اخبارات و جرائد۔ ریڈیو۔ ٹیلی وژن اور فلموں کے ذریعے لاکھوں کروڑوں لوگوں تک اطلاعات۔ خیالات، نظریات یا احساسات پہنچائے جاتے ہیں۔ اگرچہ ٹیلی وژن اور فلم میں بولنے والوں کی حرکات و سکنات بھی ابلاغ میں مدد دیتی ہیں۔ لیکن الفاظ یعنی زبان کی اہمیت مسلم ہے۔ موثر اور صحیح ابلاغ کے لئے

صحیح الفاظ کا انتخاب اور استعمال ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ اس دور میں ابلاغ Communication نے ایک فن کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ جس کی تدریس پر بڑی محنت ہو رہی ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں اس فن پر تحقیق کے لئے بڑے بڑے ادارے قائم ہو چکے ہیں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اس کی تدریس کا انتظام ہو چکا ہے ابلاغِ عام کے ذرائع کسی ملک کی ترقی میں بیحد اہم اور مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔ بشرطیکہ ان ذرائع سے قارئین یا سامعین یا ناظرین تک پہنچنے والے خیالات ونظریات مفید اور تعمیری ہوں اور ان کو موزوں الفاظ میں پیش کیا گیا ہو۔

موجودہ دور میں پروپیگنڈا۔ اشتہار بازی پبلسٹی۔ تعلقات عامہ حکومتوں اور اداروں کے لئے لازمی بن چکے ہیں۔ ان میں سے ہر شعبہ ایک فن کا درجہ حاصل کر چکا ہے چنانچہ ان فنون پر عبور حاصل کرنے کے لئے ابلاغ میں ماہر ہونا ضروری ہے۔

تحریر یا تقریر کی صورت میں جن لوگوں سے خطاب کیا جاتا ہے ان کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) وہ لوگ جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ زبان پر عبور رکھتے ہیں۔ مشکل الفاظ اور تراکیب بھی سمجھ لیتے ہیں۔ بوقت ضرورت لغت سے استفادہ کر سکتے ہیں اور ان کو بہت سے الفاظ یاد ہوتے ہیں۔

(۲) وہ لوگ جو کم پڑھے لکھے ہوتے ہیں یعنی پرائمری درجے سے میٹرک یا ایف اے تک زیادہ مشکل الفاظ یا تراکیب نہیں سمجھ سکتے ان کا علمِ لغت محدود ہوتا ہے۔

(۳) وہ لوگ جو ان پڑھ ہوتے ہیں اگر ان سے اِن کی مادری زبان میں گفتگو کی جائے تو وہ سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن لکھ نہیں سکتے۔ وہ آپس میں بات چیت کرتے وقت بازاری زبان بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ مقامی محاورات اور غیر شائستہ الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں

اگر ان تینوں قسموں کو سامنے رکھ کر کچھ لکھنا یا کہنا ہو تو اصول یہ بنتا ہے کہ سلیس

زبان استعمال کی جائے۔ آسان الفاظ منتخب کیے جائیں، پیچیدہ تراکیب استعمال نہ کی جائیں صنائع بدائع کے استعمال سے پرہیز کیا جائے۔ اگر مشکل زبان استعمال کی جائے گی تو بات ایک محدود طبقہ کی سمجھ میں آئے گی۔ دوسرے لوگ لکھی یا کہی جانے والی بات کو سمجھ نہیں سکیں گے۔ اگر سلیس زبان استعمال کی جائے گی تو تینوں قسموں کے لوگ بات سمجھ لیں گے اور اگر بات لوگوں کی مادری زبان میں کہی جائے تو ان پڑھ بھی اس کو سمجھ لیں گے۔ چنانچہ صحیح اور موثر ابلاغ سہل زبان ہی میں ممکن ہے۔ جو عالم اور فاضل لوگ کچھ لکھتے یا کہتے وقت اپنے مخاطب کی علمی سطح کو سامنے نہیں رکھتے اور تحریر یا تقریر میں لغت دانی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ صحیح اور موثر ابلاغ سے قاصر رہتے ہیں۔ چنانچہ زبان اور ابلاغ کے ماہرین کا فیصلہ یہ ہے کہ

- سلاست اور اختصار کے بغیر موثر ابلاغ ممکن نہیں۔
- سب سے زیادہ علم سب سے زیادہ سادگی میں پایا جاتا ہے۔
- صحیح معنی میں عظیم شے وہ ہوتی ہے جو آسان اور فطری ہو۔
- زبان کا مقصد ابلاغ ہے یعنی کچھ کہنا۔ اگر الفاظ یا تراکیب پڑھنے یا سننے والے کی توجہ خود جذب کر لیں اور ذہن مفہوم کی طرف نہ جائے تو زبان کے استعمال کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔
- تحریر یا تقریر میں سلاست، اختصار اور وضاحت کے اوصاف اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب الفاظ آسان اور جملے مختصر ہوں۔ سادہ الفاظ وہی ہوتے ہیں جو روز مرہ استعمال میں آتے ہیں۔
- ہر شخص بات کہہ سکتا ہے۔ ہر تعلیم یافتہ آدمی لکھ سکتا ہے لیکن آسان صحیح اور موثر تقریر یا تحریر صرف باکمال لوگوں کا کام ہے۔
- سلیس اور بامحاورہ زبان لکھنا یا بولنا آسان نہیں مشکل ہے۔

- بہترین کلام (تحریر یا تقریر) وہ ہے جو مختصر اور مدلّل ہو۔
- ابلاغ کا کمال یہ ہے کہ پڑھنے والا یا سننے والا وہی سمجھے جو لکھنے یا کہنے والا سمجھانا چاہتا ہے۔

گویا موثر اور صحیح ابلاغ کے لئے دو باتیں اہم ہیں۔ سلاست اور اختصار اگر ہم مختلف زبانوں میں لکھی گئی کتابوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہی کتابیں مقبول اور مشہور ہوئیں جو آسان زبان میں لکھی گئی تھیں۔ جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں زباندانی کے جوہر دکھائے اور صنائع بدائع استعمال کئے ان کی شہرت عارضی ثابت ہوئی۔ گلستان اور بوستان ہر دور میں زندہ اور مقبول رہیں۔ جب کہ سینکڑوں دوسری کتابوں کے کسی کو نام بھی یاد نہیں۔ مرزا غالب نے اپنی فارسی شاعری پر فخر کا اظہار کیا تھا اور اپنی اردو شاعری کو "بے رنگ" قرار دیا تھا۔ لیکن مرزا غالب کو ان کی اردو شاعری نے ہی شہرت بخشی۔ اور اردو کلام میں سے بھی وہ اشعار زبان زد عام ہوئے جو آسان زبان میں تھے یہ درست ہے کہ کسی شاعر کو قبول بنانے میں خیال یا مضمون کا بھی دخل ہوتا ہے۔ لیکن سلیس اور موزوں الفاظ کا کردار بھی کم اہم نہیں ہوتا۔ کئی شاعروں کے بلند مضامین والے کتنے ہی اشعار اس لئے عام زبانوں پر نہ چڑھ سکے کہ زبان مشکل تھی۔

جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے یہ نہ صرف پاکستان کے تمام حصوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ پاکستان سے باہر بھی دنیا کے ایک وسیع حصّہ میں اظہار کا وسیلہ ہے پاکستان کے ناخواندہ لوگ بھی ٹوٹی پھوٹی اردو میں مطلب ادا کر لیتے ہیں اور اسے سمجھ بھی لیتے ہیں۔ چنانچہ پاکستان میں اردو کے ذریعے موثر ابلاغ کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اخبارات و جرائد۔ ریڈیو۔ ٹیلی ویژن اور دوسرے ذرائع سے جو کچھ کہا جائے وہ سہل اور سادہ الفاظ میں کہا جائے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ مفہوم سمجھ سکیں۔

زبان میں سلاست اور اختصار کی ضرورت کا تقاضہ یہ ہے کہ علمی و ادبی تحریروں

میں بھی آسان زبان استعمال کی جائے۔ کوئی ادب پارہ تخلیق کرنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگ اسے پڑھیں، محظوظ ہوں۔ متاثر ہوں، ایک خاص ردعمل ظاہر کریں۔ یا ان کے احساسات وجذبات میں تحریک پیدا ہو۔ یہ مقصد تبھی پورا ہو سکتا ہے۔ جب وہ ادب پارہ پڑھنے والوں کی سمجھ میں آجائے اس طرح کسی علمی تحریر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اسے پڑھیں، رہنمائی حاصل کریں۔ ان کو نئے خیالات یا معلومات، ملیں۔ اگر علمی تحریر کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو اس کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ ادب میں تجرید یا اشاریت اور افزیت کی ضرورت مسلّم، تاہم ابلاغ کے نقطہ نظر سے ہر وہ تحریر بے سود ہے۔ جو سمجھ میں نہ آئے یا مشکل سے سمجھ میں آئے۔ اسی طرح کسی علمی تحریر میں متعلقہ علم یا فن کی اصطلاحات کا استعمال یا پیچیدہ بحثوں کی ضرورت تسلیم شدہ ہے۔ مگر فن ابلاغ کا تقاضہ یہ ہے کہ مشکل سے مشکل بات کو بھی عام فہم بنا کر پیش کیا جائے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ علمی وادبی تحریروں کے مخاطب اخبارات وجرائد کے قارئین۔ ریڈیو کے سامعین اور ٹیلی ویژن وفلم کے ناظرین سے مختلف ہو سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ علم وادب اور صحافت کی مقصدیت میں فرق ہے۔ یہی فرق علمی ادبی زبان اور صحافتی یا عام زبان میں فرق کا باعث بنتا ہے۔

**فرق:۔** علمی وادبی زبان اور صحافتی یا عام زبان میں فرق کی مختلف صورتیں مندرجہ ذیل ہیں

(۱) یہ ضروری نہیں کہ ادبی یا علمی تحریر سب لوگوں یا عام لوگوں کے لئے ہو، ادیب یا شاعر یا عالم کسی خاص گروہ، طبقے یا فرد کو سامنے رکھ کر بات کر سکتا ہے فلسفہ، نفسیات یا اقتصادیات، پہ کوئی تحریر ان لوگوں کے لئے ہوتی ہے۔

جو فلسفے۔ نفسیات یا اقتصادیات کو سمجھتے ہیں۔ مسئلہ تصوف پہ بحث اور اس میں علم تصوف کی اصطلاحات ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ جو تصوف

کو نہ سمجھتے ہوں۔ اس طرح ادبی تنقید عام قارئین کے لئے نہیں ہوتی۔ علمی و فنی تحریروں میں متعلقہ علم یا فن کی اصطلاحات بھی استعمال ہوتی ہیں۔ اس لئے ایسی تحریروں کے مخاطب وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو اس علم یا فن سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اس لئے ایسی تحریروں میں زیر بحث موضوع کی مناسبت سے ایسی زبان کے استعمال کی گنجائش ہوتی ہے جو صحافتی زبان یا عام زبان سے مختلف ہو۔ اس کے برعکس عام زبان یا صحافتی زبان سب اور عام لوگوں کے لئے ہوتی ہے اس میں اصطلاحات یا مشکل الفاظ اور تراکیب کے استعمال کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اخبار میں اقتصادیات پر بھی لکھا جاتے تو عام فہم ہونا چاہیئے تاکہ یہ یقین ہو سکے کہ تمام قارئین اس کو سمجھ لیں گے۔

(۲) اخباروں کا مطالعہ کم پڑھے لکھے لوگ بھی کرتے ہیں۔ اس طرح ریڈیو کے سامعین اور ٹیلی ویژن کے ناظرین میں بھی کم پڑھے لکھے لوگ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے صحافتی زبان کو شعوری طور پر زیادہ سے زیادہ آسان بنانا ضروری ہوتا ہے۔ خاص طور پر خبروں کی زبان کا عام فہم ہونا لازمی ہے۔ اخبار کی خصوصی اشاعتوں یا ادارتی صفحات پر علمی اور ادبی تحریریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن یہ تحریریں سب قارئین کے لئے نہیں ہوتیں۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہوتی ہیں۔ جو متعلقہ علمی اور ادبی مسائل میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

(۳) اس دور میں خبروں کے حصول کے ذرائع ترقی کر چکے ہیں۔ نامہ نگاروں رپورٹروں، خبر رساں اداروں اور دوسرے بہت سے ذرائع سے آنی خبریں حاصل ہو جاتی ہیں۔ کہ ان سب کو شائع کرنا یا نشر کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ چنانچہ نسبتاً اہم خبروں کو منتخب کرنا پڑتا ہے۔ پھر منتخب خبروں کو زیادہ سے زیادہ اختصار کے ساتھ پیش کرنا ہوتا ہے تاکہ چند مزید خبریں شائع یا نشر کرنے کی گنجائش پیدا ہو سکے۔ اس لئے صحافتی زبان اور اختصار لازم و ملزوم ہیں۔ صحافتی زبان میں الفاظ یا خیالات کی تکرار، طولِ کلام، زیادہ تشریح اور صنائع بدائع کے استعمال کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس علمی یا ادبی تحریروں میں اس قدر اختصار لازمی نہیں ہوتا۔ بعض

علمی مسائل کو نہایت وضاحت کے ساتھ مثالیں دے کر سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ادبی تحریروں میں چاشنی پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بعض اوقات تشبیہ و استعارہ اور رمز و کنایہ سے بھی کام لینا ہوتا ہے۔ گویا صحافتی زبان اور علمی و ادبی زبان میں وہی فرق ہے جو سادگی اور تکلف میں ہوتا ہے یا آمد اور آورد میں ہوتا ہے۔

۴۔ کسی ادیب یا عالم کا ایک خاص اسلوب بیان ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایک شاعر کے کلام کا بھی ایک خاص رنگ ہو سکتا ہے میر غالب۔ اقبال کا اپنا اپنا رنگ ہے جسے عام قاری بھی پہچان سکتا ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد کا اسلوب بیان منفرد ہے۔ مولانا ظفر علی خان کا انداز اور ہے۔ منفرد اسلوب بیان الفاظ کے انتخاب جملوں کی ساخت اور خیالات کی نوعیت سے تشکیل پاتا ہے چنانچہ ہر بڑے ادیب یا شاعر کے مداح اس کے اسلوب سے بھی محظوظ ہوتے ہیں۔ لیکن صحافت کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ زیادہ صحافتی مواد ایسا ہوتا ہے۔ جسے کسی اسلوب کے سانچے میں ڈھالنا ممکن نہیں ہوتا صحافتی مواد کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ قارئین یا سامعین تک کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معلومات اور اطلاعات پہنچ جائیں اور ایسا کرتے وقت آسان الفاظ استعمال کئے جائیں۔ چنانچہ ہر نوع کی اطلاعات کو سلاست اور اختصار کے ساتھ دوسروں تک پہنچانے کے عمل میں کوئی خاص اسلوب اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی پھر صحافتی مواد مختلف ہاتھوں سے گزرتا ہے۔ اور کئی مرحلوں میں اس کی کانٹ چھانٹ ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی اسلوب بن نہیں پاتا۔ خبر کی زبان کا کسی خاص اسلوب کے سانچے میں ڈھلے ہوتا مضحکہ خیز بات ہے اسی طرح اداریوں۔ فیچروں یا مضمونوں کا مقصد مفہوم کی ادائیگی ہوتا ہے۔ زبان کی چاشنی نہیں۔ البتہ بعض کالم نویس صاحب طرز کالم نویس ہو سکتے ہیں۔ ان کے کالم شخصی کالم ہوتے ہیں۔ جب کہ بیشتر صحافتی مواد غیر شخصی ہوتا ہے شخصی کالم میں کالم نویس کے انفرادی انداز بیان کی موجودگی قابل فہم ہے۔ چنانچہ علمی اور ادبی تحریریں شخصی ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کا متعلقہ شخصیتوں کے مزاج۔ طبیعت۔ نہ باندانی۔ ادراہ

نتیجتہً انداز بیان کا منظر ہونا لازمی امر ہے۔

۵۔ ادیب، شاعر یا عالم عموماً اس وقت لکھتا ہے۔ جب اس کا لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ وہ اپنی طبع موزوں یا رواں ہونے کا انتظار کر سکتا ہے۔ سوچ سوچ کر آرام سے لکھ سکتا ہے الفاظ کے انتخاب اور جملوں کی ساخت پر خاطر خواہ محنت کر سکتا ہے۔ گویا اُسے فرصت اور سہولت میسر ہوتی ہے۔ یہ ساری باتیں ایک خاص اسلوب بیان کی تشکیل میں مدد دیتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ادیب۔ عالم یا شاعر کو صاحب طرز بننے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن صحافیوں کو یہ مواقع حاصل نہیں ہوتے۔ انہوں نے مقررہ وقت میں خبریں لکھنی یا ترجمہ کرنی ہوتی ہیں۔ یا ان کی اصلاح کرنا ہوتی ہے۔ فیچر نویس یا مضمون نگار نے مقررہ وقت میں فیچر یا مضمون لکھنا ہوتا ہے۔ اور یہ نویس نے مقررہ وقت میں اداریہ مکمل کرنا ہوتا ہے وہ طبع موزوں یا رواں ہونے کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ان کے فرائض زود نویسی کا تقاضہ کرتے ہیں۔ چنانچہ جلدی لکھتے وقت الفاظ کے انتخاب اور جملوں کی ساخت پر خاطر خواہ محنت نہیں کی جا سکتی۔ صحافی کا فرض یہ ہوتا ہے کہ اس نے قارئین یا سامعین تک جو اطلاع۔ خیال یا نظریہ پہنچانا ہے وہ آسان اور کم سے کم الفاظ میں پہنچائے۔ ظاہر ہے کہ اس نوعیت کا کام کرنے والا شخص صاحب طرز نہیں ہو سکتا۔

۶۔ ادیب۔ شاعر یا عالم کسی خاص صنفِ ادب یا شعبۂ علم میں مہارت حاصل کر سکتا ہے کوئی شخص ناول نگار یا افسانہ نویس بن سکتا ہے۔ اور ناول نگاری یا افسانہ نویسی میں بھی کسی خاص شعبہ میں تخصیص پیدا کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص تاریخی ناول لکھنے میں کمال حاصل کر سکتا ہے یا نفسیاتی افسانے لکھنے کا ماہر بن سکتا ہے یا کوئی شخص نفسیات یا عمرانیات کا ماہر بن سکتا ہے۔ ایسے ماہر جب اپنے تخصیصی موضوع پر لکھتے ہیں تو وہ متعلقہ علم یا فن کی گہرائی میں اتر کر لکھتے ہیں۔ اس علم یا فن کی مخصوص اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تحریروں میں ایک خاص رنگ۔ انداز یا طرز کا پیدا ہونا ممکن ہوتا ہے مگر صحافی کی تحریروں

میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اخبار نویس ایک مقررہ وقت میں جو خبریں لکھتا یا درست کرتا ہے۔ ان میں سیاسی۔ معاشرتی۔ اقتصادی کھیلوں کی خبریں۔ جرائم کی خبریں۔ عدالتوں کی خبریں۔ غرض ہر نوع کی خبریں شامل ہوتی ہیں اداریہ نویس بھی ہر روز مختلف موضوعات پر اداریے تحریر کرتا ہے۔ فیچر نویس اور مضمون نگار کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر روز مختلف اور متضاد موضوعات پر لکھنے والا شخص اپنی تمام تحریروں میں کوئی ایک رنگ یا طرز پیدا نہیں کر سکتا۔ اس کی ضرورت بھی ہوتی ہے کہ وہ ہر بات کو آسان اور کم سے کم الفاظ میں بیان کر دے۔ اس لئے صحافتی یا عام زبان کو کسی خاص اسلوب میں ڈھالنے کی گنجائش اور ضرورت نہیں ہوتی۔

(۷) یہ صحیح ہے کہ ادبی یا علمی تحریر بھی سلاست اور اختصار کی خوبیوں سے عاری نہیں ہونی چاہیئے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ ادب میں زبان بعض اوقات خود مقصد بن جاتی ہے شعر میں نغمگی پیدا کرنے یا منظر کشی کرنے کے لئے ایسے الفاظ کا چناؤ کرنا ہوتا ہے جو خوبصورت ہوں۔ ترنم کے حامل ہوں۔ یا اپنے اندر رنگا رنگ مناظر لئے ہوئے ہوں۔ نغمگی و ترنم کا تاثر دینے والے الفاظ خود توجہ جذب کرتے ہیں اور معانی کی طرف دھیان نہیں جانے دیتے شاعری میں صنائع بدائع کا استعمال اُسے خوبصورتی عطا کرتا ہے ادیب بھی قاری کے ذہن یا جذبات پر مطلوبہ اثر پیدا کرنے کے لئے الفاظ کا سہارا لیتا ہے۔ کبھی وہ کسی کردار کا سراپا بیان کرتا ہے یا کسی ———— منظر کی لفظی تصویر کھینچتا ہے کسی بات کو قارئین کے ذہنوں پر پوری طرح نقش کرنے کے لئے تکرار و اعادہ کا سہارا لیتا ہے۔ کوئی عالم جب اپنے من پسند موضوع پر قلم اٹھاتا ہے۔ تو آسان نویسی کی کوشش کے باوجود اظہار کا ایسا پیرایہ اختیار کرتا ہے جو اس کے علمی مرتبہ سے مطابقت رکھتا ہے چنانچہ علمی و ادبی تحریروں میں شعروں۔ مصرعوں۔ ضرب الامثال۔ اقوال رمز و کنایہ اور تشبیہ و استعارہ کا استعمال واجب ہوتا ہے۔ مگر صحافتی تحریروں میں ان چیزوں کی گنجائش

نہیں ہوتی۔ صحافت میں زبان ہمیشہ ذریعہ اظہار ہوتی ہے۔ خود مقصد نہیں بنتی۔ صحافیوں نے آسان اور مختصر لفظوں میں حالات واقعات بیان کرتا ہوتے ہیں اور ان پر تبصرہ کرنا ہوتا ہے۔

۸۔ ادب میں واقعیت یا حقیقت کا ہونا ضروری نہیں ادیب یا شاعر جو کچھ تخلیق کرتے ہیں۔ اس کا واقعیت کے لحاظ سے صحیح ہونا ضروری نہیں۔ البتہ اس کا خلاف فطرت ہونا معیوب ہے ادیب یا شاعر زندگی کے عکاس ہوتے ہیں۔ اور وہ بطور انسان یا فنکار جو کچھ دیکھتے یا محسوس کرتے ہیں۔ اسے اپنے جذبات و احساسات میں سمو کر الفاظ میں ڈھالتے ہیں۔ وہ اپنی تحریروں میں جذبہ یا احساس کی مطابقت سے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جذبہ یا احساس کی شدت فکر کی بلندی یا پستی۔ عمل میں افراط یا تفریط نفرت۔ محبت اور غصہ کی زیادتی یا کمی یہ کیفتیں انسانی کیفیتیں ہیں۔ اور ادب میں ان کیفیتوں کے لئے موزوں الفاظ کا استعمال کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح اشارہ۔ رمز۔ کنایہ ابہام تکرار۔ طول بیانی۔ کم گوئی وغیرہ بھی انسانی ضرورتوں یا فطرتوں سے ہم آہنگ ہیں۔ اور ادب میں زندگی کی تصویر کشی کرتے وقت ان چیزوں سے بے نیاز نہیں ہوا جا سکتا۔ مگر صحافت میں معروضیت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ صحافیوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ واقعات اور حالات کو معروضی انداز میں غیر جانبداری کے ساتھ بیان کریں اور اپنی تحریروں میں اپنے احساسات اور جذبات شامل نہ کریں زندگی اور اس کے مظاہر اور کرداروں کو ان کی تمام گہرائیوں اور کیفیتوں سمیت بیان کرنا ایک چیز ہے اور انہی کو معروضی طور پر بیان کرنا دوسری چیز ہے دونوں طریقوں کے بیان میں الفاظ کا انتخاب اور استعمال مختلف ہوگا۔ پہلی چیز ادب ہے۔ دوسری صحافت۔ چنانچہ ادب اور صحافت کی زبان کا فرق ظاہر ہے۔

## صحافتی زبان میں کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

ماہرین نے بعض چیزوں کو زبان کے مصائب یعنی نقائص قرار دیا ہے۔ چنانچہ زبان علمی وادبی ہو یا صحافتی۔ اس میں یہ نقائص نہیں ہونے چاہئیں تاہم ادبی تحریروں میں یہ نقائص بعض اوقات حسن بن جاتے ہیں۔ خواہ ان کا استعمال خلافِ قاعدہ ہی ہو۔ البتہ علمی تحریروں میں ان کی موجودگی ابلاغ کو موثر بنانے کی بجائے غیر موثر بناتی ہے اور صحافتی زبان میں تو ان کی گنجائش ہوتی ہی نہیں اس لئے صحافتی تحریروں میں یہ نقائص نہیں ہونے چاہئیں۔

۱۔ **حشو و زوائد:۔** حشو و زوائد کے معنی ہیں غیر ضروری۔ فضول زائد۔ کسی تحریر میں شامل وہ الفاظ زائد کہلاتے ہیں۔ جن کے بغیر مفہوم ادا ہو سکتا ہے اگر زائد الفاظ بالکل ناواجب ہوں تو وہ اِصطلاح میں حشو کہلاتے ہیں۔

**مثالیں:۔** (ا) ملکی ترقی کے لئے صرف حکومت ہی کو نہیں۔ تمام افراد قوم کو کوشش اور جدوجہد کرنی چاہیئے اس جملے میں 'صرف' 'ہی' اور 'کوشش' 'جدوجہد' میں ایک ایک لفظ زائد ہے اگر یہ زائد لفظ نکال دیا جائے تو مفہوم میں فرق واقع نہیں ہوتا۔

(ب) اس نے اپنے پاؤں پر آپ ہی کلہاڑی مار لی۔ اس جملہ میں آپ ہی حشو ہے۔

(ج) لاہور میں ہر سال ماہ مارچ کے مہینے میں میلہ چراغاں ہوتا ہے۔ اس جملے میں ماہ اور مہینے میں سے ایک لفظ حشو ہے اور دونوں الفاظ زائد ہیں۔

۲۔ **طولِ کلام:۔** طولِ کلام کا مطلب ہے بات کو بلاوجہ طول دے کر بیان کرنا یعنی جو بات مختصر لفظوں میں کہی جا سکتی ہو اسے زیادہ لفظوں

میں بیان کرنا۔ یہ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ بعض لوگوں کو گفتگو میں چھوٹی چھوٹی باتوں کو طول دے کر بیان کرنے کی عادت ہوتی ہے اور بعض اوقات مخاطب یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اصل بات بتایئے۔ "بات کو مختصر کیجئے یا مطلب بیان کیجئے اس طرح بعض لکھنے والے تحریر میں بھی بات کو طول دینے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ طوالت اگرچہ ہر طرح کی تحریروں میں معیوب ہے۔ مگر صحافتی تحریروں میں اس کی گنجائش بالکل نہیں ہے۔

**مثالیں:**۔ ان دونوں خاندانوں کے تعلقات بڑھتے گئے وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے قریب آتے گئے۔ اجنبیت اور غیریت ختم ہوتی گئی۔ دوستی گہری ہوتی گئی۔ آخر وہ وقت آیا کہ دونوں خاندانوں میں بیاہ شادی کے ذریعے رشتہ داریاں قائم ہو گئیں۔ اس بات کو اختصار کے ساتھ یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے "ان دونوں خاندانوں کے تعلقات اتنے بڑھے کہ آخر کار ان میں رشتہ داری ہو گئی۔

(۲) وہ بے حد سمجھ دار انسان ہے۔ اس نے دنیا کا مشاہدہ کیا ہے زمانے کا سرد گرم چکھا ہے ہر طرح کے حالات سے دوچار ہو کر عقل پائی ہے اور اب وہ ایک عقلمند اور تجربہ کار انسان ہے اس بات کو مختصر طور پر یوں بیان کیا جا سکتا ہے وہ جہاندیدہ تجربہ کار اور عقلمند ہے۔

(۳) اس نے بڑے بڑے عالموں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے۔ یہی مفہوم زیادہ موثر طور پر یوں ادا ہو سکتا ہے۔ اس نے بڑے بڑے عالموں کی شاگردی کی ہے۔

## ۳۔ پیچیدہ اور طویل جملے:۔

پیچیدہ اور طویل جملے مفہوم کے ابلاغ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اور ان کو پڑھنے اور سمجھنے میں بھی دقت پیش آتی ہے۔ تحریر کی خوبی یہ ہے کہ وہ بول چال کے

قریب ہو۔ بول چال میں ہمیشہ چھوٹے چھوٹے جملے استعمال کئے جاتے ہیں۔

## مثالیں :

(۱) اخبار کا فرض ہے کہ وہ قوم کو ایک دور اندیش ناصح اور اصلاح کار کی طرح ہر معاملہ میں مشورہ دے کر واقعات عالم اور ان کے معنوی پہلوؤں سے آگاہ کرتے ہوئے باہمی میل جول اور قومی اخوت واتحاد کے اصول کو محبت اور صداقت کے ساتھ ذہن نشین کراتے ہوئے حالات اور واقعات کو ناصح مشفق کے دل۔ دور اندیش مورخ کے دماغ اور نکتہ رس فلسفی کی آنکھ سے دیکھے۔ اور غور کر کے ان کے بہترین معانی اور اندرونی مطالب واضح کرے۔ یہ جملہ انتہائی طویل اور پیچیدہ ہے۔ اسے چھوٹے چھوٹے کئی جملوں میں تقسیم کر کے مفہوم زیادہ بہتر طور پر ادا کیا جا سکتا ہے۔

(۲) یہ امر انتہائی نامناسب ہے کہ دین کی تعلیم۔ داناؤں کی تلقین اور تجربہ کار لوگوں کی نصیحت کے باوجود انتہا پسندی ہمارے عمل کا اس طرح سے حصہ بن چکی ہے کہ ہم اعتدال کے راستے پر چلنے کی بجائے ہر معاملہ میں انتہا پسندی کا مظاہرہ کر کے نقصان اٹھاتے ہیں۔ اس طویل جملے کو بھی چھوٹے جملوں میں تقسیم کیا جا سکتا اور مفہوم کو بہتر طور پر ادا کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اخبار کو مملکت کا چوتھا ستون کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک جمہوری معاشرے میں ایسا اہم کردار ادا کرتا ہے جس کے نتیجہ میں لوگ واقعات، حالات سے پوری طرح باخبر ہو کر ایسے صحیح فیصلے کرتے ہیں جو مثبت اور مفید ہوتے ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ لوگوں کو صحیح طور پر باخبر رکھنا ایک ایسی خدمت ہے جو ناقابل فراموش ہے۔ پیچیدہ اور طویل جملے کی یہ مثال بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ مفہوم کے صحیح اور موثر ابلاغ کے لئے چھوٹے جملے درکار ہوتے ہیں۔

۴۔ **ادق اور غیر مانوس الفاظ** :۔ اردو کئی زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے

بنی ہے۔ اس لئے اس میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں۔ جن کے کئی کئی مترادف موجود ہیں اور یہ مترادف مختلف زبانوں کے ہیں۔ مثلاً آسمان کے مترادف سپہر۔ چرخِ نیلگوں۔ فلک وغیرہ ہیں۔ اس طرح زمین کے مترادفات دھرتی، رُبع مسکوں۔ خطہ ارضی وغیرہ ہیں۔ عالم اور فاضل لوگوں کے پاس چونکہ وسیع ذخیرہ الفاظ ہوتا ہے اس لئے وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر تحریر یا تقریر میں مشکل الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ فن ابلاغ کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے آسان الفاظ استعمال کئے جائیں جن کو ہر کوئی سمجھ لے۔ اس لئے ہر طرح کی تحریر میں ادق اور غیر مانوس یعنی مشکل الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

## مثالیں:

(۱) منصّۂ شہود پر آیا۔ ہویدا ہوا۔ ظہور پذیر ہوا۔ عیاں ہوا۔ منکشف ہوا۔ منظر عام پر آیا۔ ظاہر ہوا۔ یہ سب جملے ایک ہی مفہوم ادا کرتے ہیں۔ ان سب میں ظاہر ہوا۔ آسان اور عام فہم ہے۔ اس لئے اس کا استعمال مناسب ہے۔

(۲) بیش بہا۔ گرانبہا۔ گرانمایہ۔ انمول۔ بیحد قیمتی۔ یہ سب ایک ہی مطلب ظاہر کرتے ہیں یعنی کسی چیز کا قیمتی ہونا ان سب میں قیمتی یا انمول آسان الفاظ ہیں اس لئے انہی کا استعمال مناسب ہے۔

(۳) ترقی معکوس۔ رجعت قہقری۔ اُلٹی ترقی بیشرفت معکوس ہم معنی تراکیب ہیں۔ ان میں اُلٹی ترقی عام فہم ہے۔ اس کی بجائے دوسری مشکل تراکیب کا استعمال مفہوم کے ابلاغ کو مشکل یا ناممکن بنا دے گا۔ اسی طرح خوشامد کی بجائے کاسہ لیسی امر واقعہ کی بجائے حقیقت نفس الامری۔ خدا کی رضا کی بجائے منشائے ایزدی یا مشیتِ ایزدی کا استعمال آسان الفاظ کی بجائے ادق الفاظ کے استعمال کی مثالیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ ادق الفاظ کم پڑھے لکھے لوگ نہیں سمجھ سکتے اس لئے صحافتی تحریروں میں ان کے استعمال سے پرہیز ضروری ہے۔

**۵ - مترادفات :-** مترادفات مترادف کی جمع ہے۔ جس کا مطلب ہے ہم معنی الفاظ اگرچہ مترادفات کا مفہوم سو فیصد یکساں نہیں ہوتا۔ کیونکہ حقیقت میں ایک اسم یا لفظ ایک ہی چیز یا کیفیت کو ظاہر کرتا ہے تاہم ملتی جلتی چیزیں یا کیفیتیں موجود ہوتی ہیں اور ان کے اظہار کے لئے مترادفات استعمال ہوتے ہیں۔ نفرت اور حقارت عموماً ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح الفت، محبت، عشق بھی کم و بیش ایک ہی مفہوم کی ادائیگی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ سب الفاظ ایسی کیفیتوں کو ظاہر کرتے ہیں جو ایک دوسری سے تھوڑی بہت مختلف ہیں۔ علمی و ادبی تحریر یا تقریر میں زور پیدا کرنے کے لئے مترادفات کا استعمال مناسب سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً یہ حق و باطل کی جنگ ہے۔ یہ سچائی اور جھوٹ کا معرکہ ہے۔ یہ نور و ظلمت کی لڑائی ہے۔ یہ چراغ مصطفوی اور شرار بولہبی کا معاملہ ہے یہ صداقت و کذب کی نبرد آزمائی ہے ان جملوں میں حق۔ سچائی، نور، چراغ مصطفوی، صداقت۔ ایک ہی مفہوم کی ادائیگی کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ اسی طرح باطل جھوٹ ظلمت شرار بولہبی اور کذب بھی ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اور اس لحاظ سے مترادفات ہیں۔ اسی طرح علم و فضل۔ ادب و احترام ترقی و بلندی۔ عروج و ارتقا۔ دوست احباب وغیرہ بھی مترادفات ہیں۔ علمی و ادبی تحریروں میں مترادفات کے استعمال کی گنجائش ہوتی ہے اور اس سے مفہوم کو موثر بنانے میں مدد ملتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مترادفات طول کلام کے زمرہ میں آتے ہیں اور صحافتی تحریروں میں طول کلام کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ابلاغ عام کے مختلف ذرائع سے صحافتی مواد کی پیشکش کے وقت یہ مسئلہ پیش ہوتا ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مفہوم ادا کیا جائے۔ اس لئے صحافتی زبان میں مترادفات استعمال نہیں کرنے چاہییں۔

**۶ - تعقید :-** تعقیدہ کے لفظی معنی ہیں عقدہ پیدا ہونا یعنی گرہ پڑنا۔ زبان کی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے مفہوم کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا ہونا۔ یعنی۔ جملے یا مصرعہ میں الفاظ

کی دروبست ایسی ہو کہ مفہوم سمجھنے میں مشکل پیش آئے اگرچہ علمی یا ادبی تحریروں میں بھی تعقید کی موجودگی ممکن ہے۔ لیکن صحافتی تحریروں بالخصوص اردو تحریروں میں تعقید پیدا ہونا قابل فہم ہے۔ ابھی تک اردو اخباروں میں شائع ہونے والی بیشتر خبریں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کی جاتی ہیں بعض دوسرے مندرجات کا بھی اردو میں ترجمہ ہوتا ہے اگر مواد کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرتے وقت لفظی ترجمہ کی کوشش کی جائے تو تعقید پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر زبان میں جملے کی ساخت اور فاعل وفعل مفعول اور متعلقات کی ترتیب کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔ انگریزی کے جملوں کے لفظی ترجمہ کی چند مثالیں یہ ہیں۔

While addressing the annual Writers' Convention, the President said that the writings of most of our writers do not reflect the spirit of this age.

سالانہ ادیبوں کے کنونشن
سے خطاب کرتے ہوئے
صدر نے کہا کہ ہمارے
بہت سے اہل قلم کی
تحریریں اس دور
کی روح کی عکاسی
نہیں کرتیں۔

The Afro-Asian nations, under the foreign yolk, during the past three hundred years, could not do anything original in any sphere of life.

افریشیائی اقوام غیر ملکی
غلامی میں گزشتہ تین
صد سالوں میں کوئی
تخلیقی کام نہ کرسکیں
زندگی کے کسی بھی
شعبہ میں۔

The anti-social elements, it appears, by alligning themselves with certain political parties, are defying the law without any fear.

سماج دشمن عناصر، معلوم ہوتا ہے، اپنے آپ کو بعض سیاسی جماعتوں سے وابستہ کر کے قانون شکنی کر رہے ہیں۔ بغیر کسی خوف کے۔

اوپر کی تینوں مثالوں میں اردو ترجمہ تعقید کی مثال ہے۔ پہلی مثال میں سالانہ ادیبوں کی ترکیب مضحکہ خیز اور غلط ہے اور فاعل۔ صدر جلسہ کے شروع میں آنے کی بجائے درمیان میں استعمال ہوا ہے۔ جملہ کی صحیح ترکیب یوں ہے۔ صدر نے ادیبوں کے سالانہ کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ...... دوسری اور تیسری مثال میں بھی اردو جملوں کی ترکیب صحیح نہیں۔ فاعل۔ فعل۔ مفعول اور متعلقات صحیح جگہ پر آنے کی بجائے غلط جگہ آئے ہیں۔ اور مفہوم کی ادائیگی میں رکاوٹ بنے ہیں۔

## تعقید کی قسمیں:

تعقید دو قسم کی ہوتی ہے۔ تعقید لفظی اور تعقید معنوی۔ تعقید لفظی کی مثالیں اوپر آچکی ہیں الفاظ کی نشست درست نہ ہونے سے مفہوم سمجھنے میں جو دشواری پیدا ہوتی ہے وہ تعقید لفظی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ تعقید معنوی الفاظ کی غلط نشست سے نہیں بلکہ معنوی ابہام کا نتیجہ ہوتی ہے۔ شاعری میں تعقید معنوی کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر غالب کا یہ شعر تعقید معنوی کی مثال ہے ؎

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

اس شعر کا مفہوم دقت اور دیر سے سمجھ میں آتا ہے۔ پرانے زمانے کے ایران میں

جب کسی شخص کو بادشاہِ وقت کے حضور فریاد کرنا ہوتی تھی تو وہ کاغذی لباس پہن کر آتا تھا اور یہ لباس اس امر کی علامت ہوتا تھا کہ وہ فریادی ہے۔ اسی طرح ایک عامیانہ سا شعر تعقید معنوی کی بہترین مثال ہے یہ شعر ہے:۔

مگس کو باغ میں جانے نہ دیجو
کہ ناحق خون پروانے کا ہو گا۔

شاعر اس میں بڑی دور کی کوڑی لایا ہے۔ شہد کی مکھی باغ میں جا کر پھولوں کا رس چوستی ہے اس رس سے وہ اپنے چھتے میں شہد تیار کرتی ہے، چھتے سے شہد نکال لیا جاتا ہے اس کے باقیات سے موم بتی یعنی شمع بنتی ہے۔ شمع جلتی ہے تو پروانہ اس پر نثار ہوتا ہے ان دونوں شعروں میں شاعروں نے اشارہ کنایہ میں ایسی باتیں کہی ہیں جو تفصیل طلب رمزیت کے زمرہ میں آتی ہیں نثر میں تعقید معنوی کی گنجائش کم ہوتی ہے تاہم ادبی علمی تحریروں میں بعض باتیں اس انداز سے کہی جاتی ہیں۔ صحافت میں اس قسم کی تعقید کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت۔ اس لئے صحافتی تحریروں کو ہر طرح کی تعقید سے پاک رکھنا ضروری ہے۔

۷۔ تکرار و اعادہ:۔ تکرار اعادہ کے معنی ہیں دہرانا۔ یعنی کسی بات کو بار بار کہنا تعقید کی طرح تکرار اور اعادہ کی بھی دو قسمیں ہیں حرف یا لفظ کی تکرار اور خیال یا مفہوم کی تکرار۔ مقررین اپنی بات ذہن نشین کرانے کے لئے عموماً اپنی بات کو بار بار دہراتے ہیں۔ اس طرح تحریر میں بھی بعض لوگ حروف الفاظ یا خیالات کی تکرار کرتے ہیں۔ کبھی شعوری طور پر اور کبھی غیر شعوری طور پر شعوری تکرار و اعادہ کا مقصد مفہوم کو موثر بنانا اور ٹھیک طرح سے ذہن نشین کرانا ہوتا ہے۔ خیال یا مفہوم کی تکرار یہ ثابت کرتی ہے کہ ایک بار کہی گئی بات واضح، یا موثر یا بلیغ نہیں ہے۔ اس لئے اسے دہرایا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تکرار پسندیدہ نہیں ہے۔ ابلاغ کا مطلب یہ ہے کہ بات کو اختصار کے ساتھ آسان الفاظ میں اس طرح کیا جائے

کہ پڑھنے یا سننے والا آسانی سے سمجھ لے۔

شعروں میں حروف یا الفاظ کی تکرار نغمگی اور حسن پیدا کرتے ہیں مدد دیتی ہے۔ مثلاً

ع چلتے ہو تو چمن کو چلیے سنتے ہیں کہ بہاراں ہے

میر تقی میر کے اس مصرعہ میں حرف چ کی تکرار نے حسن پیدا کر دیا ہے۔ اس طرح ؎

اُودے اُودے نیلے نیلے۔ پیلے پیلے پیرہن

• پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار

اس شعر میں اُودے۔ نیلے۔ پیلے اور قطار کی تکرار نے نغمگی اور حسن پیدا کر دیا ہے۔

اقبال کا یہ شعر بھی اسی ذیل میں آتا ہے ؎

دمِ زندگی غمِ زندگی، غمِ زندگی سمِ زندگی

غمِ دم نہ کر، سمِ غم نہ کھا کہ یہی ہے شانِ قلندری

اس شعر میں دم غم اور سم کی تکرار نے نغمگی اور خوب صورتی پیدا کر دی ہے۔ لیکن نثر میں حروف یا الفاظ کی تکرار صوتی تنافر پیدا کرتی ہے۔ مثلاً

کمال کرتے ہو! کہنے کو کیا کچھ نہیں کہا لیکن کسی نے اس کی ایک نہ سنی۔ اس جملہ میں حرف ک، کی تکرار صوتی تنافر کا باعث ہے۔ نثر میں الفاظ کی تکرار کی مثال تکیہ کلام کی سی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تکیۂ کلام عیب ہے حسن نہیں بعض جملوں میں حروف کی تکرار سے پرہیز ضروری ہے چنانچہ نثر میں بالخصوص صحافتی تحریروں میں تکرار اعادہ غیر پسندیدہ ہے۔

## ۸ - مشکل اور پیچیدہ تراکیب

مشکل اور پیچیدہ تراکیب اصولی طور پر ادق اور غیر مانوس الفاظ کے زمرہ میں آجاتی ہیں تاہم مشکل الفاظ اور مشکل تراکیب میں تھوڑا سا فرق ہے۔ مشکل ترکیب آسان اور عام فہم الفاظ سے بھی بن سکتی ہے تحریر و تقریر میں اضافتوں کا استعمال ضروری ہے اگر اضافتوں کے استعمال میں احتیاط نہ برتی جائے تو وہ مشکل اور طویل بن سکتی ہیں۔ مثلاً صاحب اور رائے آسان

الفاظ ہیں۔ لیکن ان کو ملا کر صاحب الرائے بنایا جائے تو ترکیب ذرا مشکل ہو جاتی ہے اسی طرح غریب اور دیار بھی عام فہم الفاظ ہیں مگر ان سے غریب الدّیار بنایا جائے۔ تو مشکل ترکیب وجود میں آتی ہے آتش، قہر، خداوند مشکل الفاظ نہیں ہیں۔ مگر ان سے آتشِ قہرِ خداوندی کی ترکیب بنے گی۔ تو مشکل ہو گی۔ اسی طرح راسخ العقیدہ، رقیق القلب۔ شقی القلب رطب اللّسان خوش الحان۔ آتش فرقت، عدیم الفرصت، عدیم المثال فقید النظیر منشائے ایزدی۔ مشیت الٰہی شکوۂ تقدیرِ یزداں آدابِ خود آگاہی۔ اسرارِ شہنشاہی جور و استبداد مراعات یافتہ۔ استحصالی نظام، کسمپرسی۔ گنج گرانمایہ، مفلوک الحال۔ گرانفروشی، زبوں حالی وغیرہ ایسی تراکیب ہیں جو کم پڑھے لکھے لوگ مشکل سے سمجھیں گے۔

جملوں میں ایسی تراکیب کی موجودگی ان کو ثقیل اور بوجھل بنا دیتی ہے۔ اس لئے ایسی مشکل تراکیب سے نہ صرف صحافتی تحریروں میں بلکہ علمی و ادبی تحریروں میں بھی پرہیز کرنا چاہیئے۔ غالب کے اشعار کو مشکل اور ناقابل فہم قرار دینے میں حسد کا دخل بھی تھا۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ غالب کے بہت سے اشعار کو مشکل اور طویل تراکیب نے واقعی مشکل بنا دیا ہے مثلاً

کاوکاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ۔ اور ع

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں۔

اخبارات و جرائد اور دوسرے ذرائع ابلاغ سے پیش کئے جانے والا صحافتی مواد چونکہ تمام قارئین کے لئے ہوتا ہے اس لئے اس میں مشکل اور طویل تراکیب کے استعمال سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

اس بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحافتی زبان میں مفہوم کی ادائیگی کے لئے ادق، مشکل اور بھاری بھرکم الفاظ یا تراکیب کا علم ضروری نہیں۔ سادہ الفاظ میں اس طرح کے مطالب ادا کئے جا سکتے ہیں اور سادہ الفاظ سیکھنا یا لکھنا یاد کرنا مشکل نہیں ہے۔ جو لوگ ناظرین یا قارئین کو

مرعوب کرنے کے لئے مشکل الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ وہ اصل میں ابلاغ کے تقاضوں سے بے خبر ہیں۔ اسی طرح جو لوگ اردو کو عربی اور فارسی کے مشکل الفاظ کا مجموعہ سمجھ کر اس سے بدکتے ہیں ان کا طرز عمل بھی صحیح نہیں ہے۔ مشکل اور دقیق الفاظ جانے بغیر اس میں اظہار خیال ممکن ہے۔

کوئی زبان عوام سے کٹ کر اور خواص کی زبان بن کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ صحافت چونکہ عوام کے لئے ہوتی ہے اس لئے صحافتی زبان ایسی ہونی چاہیئے۔ جسے عام لوگ سمجھ لیں۔ جب عام لوگوں کو سمجھانے کے خیال سے لکھا جائے تو زبان لازماً آسان بن جاتی ہے۔ اس بنا پر ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر نوع کے ابلاغ میں سامعین یا قارئین کی ذہنی اور علمی حیثیت کو سامنے رکھ کر بات کہی یا لکھی جائے۔ تاکہ وہ اسے آسانی سے سمجھ سکیں۔

# صحافتِ اُردو کا ارتقاء

**ابتدائی دور:** اردو زبان معرضِ وجود میں آنے کے بعد طویل مدت تک محض ادبی زبان رہی اور وہ بھی زیادہ تر شعر و شاعری کی زبان اردو کا ابتدائی نثری ادب ایسے رسالوں اور کتابوں پر مشتمل ہے جن کی زبان شاعری کے زیادہ قریب ہے یا پھر عربی اور فارسی میں ہندی کے الفاظ کے پیوند کا نمونہ ہے ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں قائم ہونے والے فورٹ ولیم کالج میں بعض کتابیں مثلاً باغ و بہار اور طوطا کہانی وغیرہ آسان زبان میں لکھی گئیں۔ لیکن کلکتہ اردو کے اصل مراکز دہلی اور لکھنؤ سے دور تھا۔ اشاعت و طباعت کی سہولتیں کم تھیں۔ برصغیر کی تدفی۔ سرکاری اور دفتری زبان فارسی تھی۔ اس لئے آسان زبان میں لکھی گئی کتابیں فارسی و عربی لُغت کے سمندر میں اردو کے ایک چھوٹے سے جزیرے کی حیثیت اختیار کئے رہیں۔

انگریزوں نے فورٹ ولیم کالج قائم کر کے اردو کے فروغ کی جو کوشش کی۔ اس کی وجہ ان کی اردو سے محبت نہیں تھی۔ اصل سبب یہ تھا کہ وہ فارسی کو ختم کرنا چاہتے تھے جو مسلمانوں کی تہذیبی۔ علمی اور ادبی زبان تھی اور ان کے دورِ اقتدار کی یادگار تھی۔ تمام ہندوستانیوں کو انگریزی سکھانا تو ممکن نہیں تھا۔ البتہ اردو آسان زبان ہونے کے باعث عوامی زبان بن سکتی تھی۔ چنانچہ ان کی طرف سے اردو کی سرپرستی کا مطلب یہ تھا کہ اسے جلد از جلد فارسی کی جگہ رائج کیا جا سکے۔ انگریزوں کی فارسی سے دشمنی بالواسطہ طور پر اردو کے فروغ کا باعث بنی۔ اور بعد ازاں اردو ہی مسلمانوں کی تہذیبی زبان بن گئی اور ہندوؤں نے

اسے مسلمانوں کی زبان قرار دیتے ہوئے اس کی شدید مخالفت کی۔

انگریزوں کی کوششوں کے باوجود طویل عرصہ تک اردو عوامی سطح پر مقبول نہ ہو سکی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرپرستی میں جاری ہونے والا اخبار (جام جہاں نما) (کلکتہ) ۱۸۲۳ء میں اردو میں شائع ہونے لگا۔ ۲۳ مارچ ۱۸۲۸ء کو اس اخبار کے مدیر نے اردو میں اس کی اشاعت بند کرنے کا اعلان کرتے ہوئے لکھا "قدر شناس (انگریز) جن کی کرم گستری سے اس کاغذ نے رونق پائی۔ اردو عبارت سے ذوق نہیں رکھتے۔ اور اہل ہند (اردو) جنہوں کی زبان ہے۔ فارسی تحریر چاہتے ہیں"۔ ۱۸۳۰ء میں انگریزوں نے فارسی کی جگہ اردو کو سرکاری زبان بنا دیا۔ مگر اس کے بعد بھی خاصی مدت تک عوامی سطح پر فارسی ہی مقبول رہی تاہم رفتہ رفتہ اردو اخبار شائع ہونے لگے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد اور اشاعت میں اضافہ ہوتا گیا۔ ابتدائی اردو اخبارات زیادہ تر ہفت روزہ پندرہ روزہ یا ماہنامے تھے۔ ان کے نام بھی زیادہ تر فارسی یا عربی تھے۔ مثلاً سراج الاخبار سیّد الاخبار۔ کریم الاخبار۔ اسعد الاخبار۔ معیار الشعراء۔ قطب الاخبار۔ مفتاح الاخبار۔ مطلع الاخبار۔ اخبار النعائق۔ مفید الخلائق۔ قرآن السعدین فوائد الناظرین وغیرہ

اس زمانہ میں صحافت اور ادب میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اخبارات کے مندرجات زیادہ تر ادبی نوعیت ہی کے ہوتے تھے اردو اخبارات کی زبان ادبی زبان تھی۔ جو کچھ اس قسم کی تھی۔

"اخلاقِ ناصری ایک کتاب ہے۔ حاوی فوائد بے حساب اور ایک نسخہ ہے۔ محتوی منافع بے شمار ہر چند عوام کالانام کم سوادی سے نہیں سمجھتے۔ مگر اولالنظران بلند بینش اوس کی قدر پہنچانتے ہیں" (صادق الاخبار۔ ۲۳ مارچ ۱۸۵۷ء)

اِن دِنوں غلہ کی گرانی ہے گہا فی خاطر کی ارزانی ہے اس قدر مہنگا اناج ہے۔ آسیائے فلک بھی دانے کو محتاج ہے۔ فاقہ کشوں کی برق آہ شرربار سے خرمن ماہ جل گیا۔ گروہ

نانِ خورشید لشکرِ غم کے پاؤں نیچے کچل گیا۔" (سحر سامری نومبر ۱۸۵۶ء)

" ضمیر منیر وقیقہ شناسان صورت و معنی پہ روشن ہو کہ دریں دلا واسطے فوائد عوام اور بہبودی سکنائے اس دیار کے ایک اخبار مسمّی بہ آفتاب ہند بہ زبان اردو تاریخ غرہ جنوری ۱۸۵۶ء سے شہر بنارس کے مطبع کاشی پرشاد میں خلعت طبع سے مرتب اور حلیہ حکمت و صنعت سے مزتیب رہتا ہے بہ ملاحظہ اخبار کہ شامل اشتہار ہذا کے ہے حال مفصل ظاہر ہوگا۔ مگر حیات اور قیام اس کا رغبت خاطر ناظرین اور شفقت دلی شائقین پر منحصر امید کہ صاحبان ہنر اور دولتمندان کرم گستر بنظر توجہ ذلال اجابت سے اس نونہال گلشن خوبی کو حیات جاوید بخش اور حال منتظر رہی سے مطلع فرمائیں۔ کہ ہر ہفتہ میں بلاناغہ ارسال خدمت ہوا کرے" (آفتاب ہند کا ایک اشتہار)

بیشتر اخبارات اپنے متعلق اشتہارات اور کوائف بھی نظم کی صورت میں دیتے تھے مثلاً۔

مہربان امیدواروں پہ نہ کیوں سرکار ہو۔ کیوں نہ رحمت کی نظر اس کی ہمیں درکار ہو۔
اسم اعظم کا وظیفہ مطبع اعظم میں ہو۔ نام سے جس کے یہ کاغذ اعظم الاخبار ہو۔

اعظم الاخبار۔ پنج شنبہ روز اشتہار۔ قیمت ایک روپیہ ماہوار پیشگی دس روپے سال میں ایک بار۔ محصول ڈاک ذمے خریدار۔

۱۸۵۷ء میں اردو صحافت کا پہلا دور ختم ہو گیا۔ اس دور میں جو اردو اخبارات جاری ہوتے وہ ہفت روزہ۔ پندرہ روزہ یا ماہنامے تھے۔ بیشتر اخبارات کے مندرجات ادبی نوعیت کے ہوتے تھے جو اخبار عام دلچسپی کی چند خبریں شائع کرتے تھے۔ یا سرکاری اعلانات کو اپنے صفحات میں جگہ دیتے تھے۔ ان کی زبان بھی ادبی تھی اور وہ بھی انیسویں صدی کے پہلے نصف کی اردو۔ زبان صاف اور رواں نہیں تھی۔ جملوں میں الجھاؤ تھا۔ عربی اور فارسی الفاظ کی کثرت تھی البتہ دلی۔ آگرہ۔ لکھنؤ۔ مدراس۔ بنارس اور پنجاب کے اردو اخبارات کی

زبان میں تھوڑا سا فرق ضرور تھا۔ اور یہ فرق وہی تھا جو ان خطوں کی اردو شاعری کی زبان میں تھا۔ دہلی اور آگرہ کی زبان پر فارسی اور عربی الفاظ کا غلبہ نسبتاً زیادہ تھا۔ لکھنؤ کے اخبارات کی زبان وہاں کے دبستانِ ادب کی مناسبت سے مقفیٰ اور مسجع تھی۔ خبریں بلکہ اعلانات بھی مُقفیٰ ہوتے تھے۔ زبان میں عربی فارسی الفاظ کی آمیزش بھی تھی۔ لیکن ذرا کم۔ مثال کے طور پر طلسم لکھنؤ (۱۸۵۶ء) کا یہ اقتباس:۔

"اس اخبار کی طبع کا ہر جمعہ کو دستور ہے

اور خبر کی تصحیح کا التزام بالمقدور ہے

مدح وذم کا اندازہ نہیں رکھا

ہاں سچ کہنے سے قلم کو باز نہیں رکھا"

مدراس اور بنارس سے جو اخبارات جاری ہوئے۔ ان کی زبان سادگی اور سلاست کے لحاظ سے لکھنؤ کی صحافت کی زبان کے قریب ہے۔ لیکن یہ اخبارات تعداد میں کم تھے اور ان کا اسلوب نمائندہ اسلوب نہیں تھا۔ اردو کے اصل مراکز دلّی اور لکھنؤ تھے۔ اور ان مراکز کے اسلوب ہی نمائندہ اسلوب تھے۔

پنجاب میں جب اردو صحافت کا آغاز ہوا تو اردو زبان کے اسلوب کی کوئی روایت موجود نہیں تھی۔ اس سے پہلے پنجاب میں اردو زبان میں کوئی کام نہیں ہوا تھا۔ اس لئے پنجاب کے مختلف علاقوں سے جاری ہونے والے اخبارات کی زبان نسبتاً سادہ اور آسان تھی۔ ---- اور ..... لکھنوی اخبارات کی زبان کی طرح مُقفّیٰ اور مسجع تھی۔ مثال کے طور پر ۲۶ فروری ۱۸۵۶ء کے کوہ نور کا یہ اقتباس۔

اب اودھ کے لوگ ضبطی ملک سے ناخوش ہیں۔ ہزارہا امیدوارانِ نوکری شوروغل مچا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ سرکار کو سوائے ملک اودھ کے غیر مقامات کے آدمیوں کو نوکر رکھنا بعید از انصاف ہے۔ بادشاہ کے قدیمی ملازمین بجز چند آدمیوں کے سبب برخاست ہو

گئے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ تمہارے حقوق کا لحاظ کیا جائے گا۔ اب بادشاہ کی حالت پر سب کو رحم آتا ہے"۔

پنجاب سے جاری ہونے والے اردو اخبارات کی زبان "پنجاب کی اردو" تھی اس دور میں چونکہ ادب اور صحافت میں کوئی تمیز نہیں تھی۔ اس لئے ادبی اور صحافتی زبان میں فرق کا شعور بھی موجود نہیں تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء تک برصغیر پاکستان و ہند کے مختلف خطوں کی اردو معمولی فرق کے ساتھ اس دور کی علمی ادبی اردو تھی۔

## سر سیّد احمد خان اور اُن کی تحریک

سر سید احمد خان ایک مصلح تھے۔ انہوں نے مذہب، معاشرت، تہذیب تعلیم غرض کئی میدانوں میں مسلمانوں کی اصلاح کے لئے بھرپور کوششیں کیں۔ ان کے اخبارات سائنٹیفک سوسائٹی میگزین (بعدازاں جس کا نام علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ رکھا گیا) اور تہذیب الاخلاق کے اجرا کا مقصد بھی قوم کی اصلاح تھا۔ اصلاح کے عمل میں ابلاغ کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور صحیح اور موثر ابلاغ کے لئے آسان اور عام فہم زبان کی ضرورت محتاج بیان نہیں۔ ادبی اردو کا مطالعہ صرف خواص تک محدود تھا۔ اس وقت اردو میں اتنی استعداد ہی نہیں تھی کہ اس میں ہر طرح کے معاملات زندگی پر خیالات ظاہر کئے جا سکتے چنانچہ سر سید احمد خان نے یہ محسوس کیا کہ جب تک خود اردو زبان کی اصلاح نہیں ہوگی اور اسے سلیس نہیں بنایا جائے گا۔ اس وقت تک اس کے ذریعے عام لوگوں تک ر... اور موثر ابلاغ ممکن نہیں انہوں نے اردو زبان میں وسعت پیدا کی۔ اس میں نئے الفاظ شامل کئے۔ اظہار کے لئے نئے پیرائے تلاش کئے اس زبان میں روزمرہ مسائل پر اظہار خیال کیا۔ سر سید احمد خان نے تہذیب الاخلاق میں اپنی ان کوششوں کے بارے میں یوں اظہار خیال کیا تھا "جہاں تک ہم سے ہو سکا۔ ہم نے اردو زبان کے علم و ادب کی ترقی میں اپنے

ناچیز پہ چوں کے ذریعے سے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ جہاں تک ہماری کج مج زبان نے یاری دی الفاظ کی درستی۔ بول چال کی صفائی پر کوشش کی رنگینئ عبارت سے جو تشبیہات اور مضامین خیالی سے بھری ہوتی ہے۔ اور اس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ پرہیز کیا۔ تک بندی سے کہ وہ اس زمانے میں مقفیٰ عبارت کہلاتی تھی۔ ہاتھ اٹھایا۔ جہاں تک ہو سکا۔ سادگی زبان پر توجہ کی اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔"

سرسید احمد خاں کا دور عقلیت کا دور کہلاتا ہے۔ اردو جو پہلے محض ادبی زبان تھی۔ سرسید اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں سے علمی زبان بن گئی اور اس طرح صحافت میں بھی علم کا پیوند لگ گیا۔ سرسید احمد خاں کے رفقاء بھی اپنے اپنے دائرہ میں نامور اور با اثر تھے وہ سرسید کے خیالات سے متاثر ہو کر اصلاح کی تحریک میں شامل ہوتے تھے۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ نے اردو شاعری کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی۔ اور مسدس کے ذریعے قوم کی اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کی ضرورت کا احساس دلایا۔ سرسید کے دوسرے ساتھی نواب محسن الملک نواب وقار الملک۔ مولوی چراغ علی۔ مولوی ذکاء اللہ دہلوی۔ مولوی نذیر احمد اور علامہ شبلی نے بھی اپنے اپنے دائرہ میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ چونکہ یہ سب دردمندان قوم اہلِ قلم تھے۔ اس لئے انھوں نے اردو میں قلم کے جوہر دکھلائے۔ اور اردو نثر میں قابل فخر تخلیقات پیش کیں۔ اگرچہ ان بزرگوں میں سے ہر ایک کا اسلوب الگ ہے تاہم ان سب کی تحریر سادہ۔ فتیح اور جامع ہے۔ ان سب بزرگوں کے سامنے ایک نصب العین تھا۔ وہ اس نصب العین کے حصول کی جدوجہد میں تمام اہل وطن کو شریک کرنا چاہتے تھے اس مقصد کے لئے پرانا طرز نگارش کارآمد نہیں ہو سکتا تھا۔ لوگوں تک مفید اور کارآمد باتیں پہنچانے کے لئے سادہ زبان کی ضرورت تھی۔ شاعرانہ انداز بیان زندگی کے ٹھوس مسائل

کو اردو زبان میں بیان کرنے کے تقاضوں کے خلاف تھا۔ چنانچہ سرسید احمد خان اور ان کے ساتھیوں نے نہ صرف خود پرانے اسلوب تحریر کو چھوڑا۔ بلکہ دوسروں کو بھی تلقین کی کہ وہ آسان الفاظ میں اظہار خیال کریں۔ اور زبان کو پرکشش بنانے کے بجائے مفہوم کو بہتر طور پر ادا کرنے پر زور دیں۔

اس دور میں بہت سے لوگوں نے سرسید احمد خان کے نظریات کی مخالفت کی۔ چنانچہ بعض اخبارات بھی ان کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ مثال کے طور پر لکھنؤ کے اودھ پنچ اور اس کے قلمی معاونین نے سرسید کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ لیکن ان کی یہ مخالفت بھی اردو کو سلیس بنانے میں مددگار ثابت ہوئی وہ سرسید احمد خان کی مخالفت کرتے ہوئے مضحکہ اڑانے کے لئے سرسید احمد خان کا اسلوب بیان اختیار کرتے تھے اور ان کی نقل اتارتے تھے۔ اس طرح بالواسطہ طور پر انہوں نے اردو زبان کو سلیس اور عام فہم بنانے میں حصہ لیا۔

سرسید احمد خان اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں نے رفتہ رفتہ ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ برصغیر پاکستان، ہند کے وہ خطے جہاں اردو ادب یا صحافت کا وجود تھا۔ براہ راست یا بالواسطہ طور پر اس تحریک سے متاثر ہوئے۔ یہ تحریک اردو کو آسان اور وسیع بنانے کی تحریک تھی۔ لیکن سرسید احمد خان کی تحریک نے اردو زبان میں جو تبدیلیاں پیدا کیں۔ وہ ادب اور صحافت دونوں کی زبان میں رونما ہوئیں۔ اس لئے کہ اس دور میں بھی صحافت ادب سے الگ نہیں ہوئی تھی اردو اخبارات کے بیشتر مندرجات علمی ادبی نوعیت ہی کے ہوتے تھے مگر ۱۸۵۷ء سے پہلے کے زمانہ کے برعکس اس دور کی علمی، ادبی اردو آسان اور عام فہم تھی۔ اس میں مفہوم اور مطلب بیان کیا جاتا تھا اور ضائع بدائع سے پرہیز کیا جاتا تھا۔ نئے علوم کو اردو زبان میں بیان کیا جاتا تھا۔ سرسید اور ان کے بعض ساتھی اردو میں انگریزی کے الفاظ بھی بلا جھجک استعمال کرتے تھے ان میں سے بعض الفاظ رفتہ رفتہ اردو ہی کا حصہ بن گئے۔ اور ان کی غیریت جاتی رہی۔

## سر سیّد احمد خان کے بعد:

سر سید احمد خان ۱۸۹۸ء میں وفات پا گئے۔ بیسویں صدی کے شروع میں برصغیر اور عالم اسلام کے سیاسی حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ سر سید احمد خان کی پالیسی کی افادیت مشکوک نظر آنے لگی۔ سر سیّد نے انگریزوں کے ساتھ مصالحت اور حکومت سے وفاداری کا سبق پڑھایا تھا۔ لیکن بیسویں صدی کے شروع کے بعض واقعات نے یہ ثابت کیا کہ اس دور میں ہر حال میں مصالحت اور وفاداری کی پالیسی نقصان دہ ہے انگریزوں نے انتظامی مصلحتوں کے تحت ۱۹۰۵ء میں بنگال کو تقسیم کر کے دو صوبے بنا دیئے۔ جس سے بالواسطہ طور پر بنگالی مسلمانوں کو فائدہ پہنچا۔ لیکن ہندوؤں نے احتجاج، ہڑتال، جلسوں اور جلوسوں کے ذریعے انگریزوں پر اثر ڈال کر بنگال کی تقسیم منسوخ کرا دی۔ بعض جگہوں پر فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ جن میں مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا۔ ادھر اٹلی نے ترکی پر حملہ کر دیا۔ ترکی اس گئے گزرے دور میں بھی مسلمانوں کا روحانی مرکز تھا۔ چنانچہ ان حالات نے ایک بار پھر مسلمانوں کو انگریزوں سے بدظن کر دیا۔ چنانچہ سیاسی محاذ پر سر سید کی پالیسی کے خلاف سخت ردعمل شروع ہوا اور ایسے مسلمان رہنما میدان عمل میں آئے۔ جن کا نعرہ ع یا اپنا گریبان چاک تھا دامن یزداں چاک۔ تھا۔ ان میں مولانا ظفر علی خان۔ مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسرت موہانی کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ پہلے تینوں بزرگ بلند پایہ عالم۔ خطیب اور ادیب تھے۔ مولانا محمد علی تو بنیادی طور پر انگریزی کے ادیب اور صحافی تھے۔ لیکن مولانا ظفر علی خان اور مولانا ابوالکلام آزاد، عربی، فارسی اور اردو کے عالم تھے انہوں نے صحافت کو بطور مشن اپنایا اور نہایت جرأت و بیباکی کے ساتھ لکھنا شروع کیا۔ یہ دور چونکہ ہنگاموں اور تحریکوں کا دور تھا۔ اس لئے فضا جذبات سے معمور تھی اور ایسی جذباتی فضا میں جارحانہ اور جنگجویانہ انداز تحریر و خطابت ہی مقبول اور کامیاب ہو سکتا تھا۔

سر سید احمد خان کی کوششوں سے اردو صحافت میں عقلیت اور متانت کے جو عناصر

شامل ہوئے تھے۔ وہ اس دور میں غیر اہم اور غیر موثر ہو گئے۔ جوش و جذبہ کو غلبہ حاصل ہوا چونکہ ہمارے یہ بلند پایہ اور قد آور صحافی بلند پایہ عالم بھی تھے۔ اس لئے ان کی تحریروں میں عربی اور فارسی کے الفاظ کا بکثرت استعمال ایک قدرتی امر تھا اردو صحافت کی تاریخ میں یہ دور جنگجو یانہ اور بیباک صحافت کا دور کہلاتا ہے۔ اگرچہ اس دور میں بھی بعض اخبارات مثلاً پیسہ اخبار اور اخبار عام وغیرہ نے آسان زبان استعمال کرنے کی روش برقرار رکھی۔ لیکن زمیندار، الہلال اور ہمدرد وغیرہ کے سامنے ان اخباروں کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ اور وہ دب کر رہ گئے چنانچہ ان کی زبان بھی بے اثر ہو گئی۔ اس دور میں جس انداز کی صحافت کا طوطی بولتا تھا وہ ادبی صحافت تھی۔

اس دور میں بعض خالص ادبی مسائل بھی شائع ہونے لگے۔ جن میں سے مخزن اور ہمایوں نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی۔ یہ سیاست سے الگ تھلگ ہو کر اردو زبان و ادب کی خدمت کرتے رہے۔ لیکن اس دور میں سرسید احمد خان کے دور کی اردو کے خلاف ردعمل شروع ہوا۔ ٹیگور اور آسکر وائلڈ کے اثرات نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ جس زبان کو سرسید احمد خان اور ان کے ساتھیوں نے سہل علمی زبان بنایا تھا۔ اس پر رومانویت غالب آگئی۔ اس دور میں خالص ادب کی جو صورت تھی۔ اس کا اندازہ حکیم الامت کے اس شعر سے ہوتا ہے۔

سے ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس،
حیف! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

ادبی اردو زبان دقیق تو نہیں تھی۔ لیکن تشبیہ و استعارہ۔ خوبصورت الفاظ اور پرکشش اسلوب مفہوم پر غالب تھے۔ خیالی مضامین کی بھرمار تھی۔ اس کے برعکس صحافت نعرہ رستاخیز کا رنگ لئے ہوئے تھی۔ لیکن اس کا اسلوب ادبی و علمی تھا۔ اس کی زبان میں عربی و فارسی کے بھاری بھرکم الفاظ کی کثرت تھی۔ عربی، فارسی اور اردو کے اشعار اور مصرعوں کا استعمال عام تھا مطلب

کی بات اختصار اور سادگی کے ساتھ کہنے کی بجائے طوالت سے کام لیا جاتا تھا۔ اصل مفہوم کی ادائیگی سے پہلے تمہید باندھنے کا رواج تھا۔ جب اس میں مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال اور البلاغ بڑے کامیاب اور مقبول تھے۔ مگر سکینہ کے الفاظ میں "مولانا آزاد نے عربی اور فارسی کے غیر مانوس الفاظ سے اردو کو مشکل بنا دیا"۔ مولانا محمد علی جوہر بنیادی طور پر انگریزی کے صحافی تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی اردو تحریروں میں نسبتاً آسان زبان استعمال کی۔ مگر ان کی اردو صحافت کی عمر مختصر ہونے کے باعث ان کے اردو اسلوب کا رنگ محدود رہا۔

اخبارات میں بالخصوص برصغیر پاکستان کے شمال مغربی حصے میں مولانا ظفر علی خان کے زمیندار کا طوطی بولتا تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے اردو صحافت کی اتنی خدمت کی کہ وہ بابائے صحافت کہلائے انہوں نے اردو صحافت کو کمتر سطح سے اٹھا کر بلند اور باعزت مقام عطا کیا اسے اثر اور قوّت سے بہرہ ور کیا۔ اور اسے مقبول عام بنایا۔ ان کا اخبار زمیندار نصف صدی تک صحافت کی عملی تربیت کا بے مثال گہوارہ بنا رہا۔ تاہم سرسید احمد خان نے اردو صحافت میں عقلیت اور منطق و استدلال کے جو عناصر شامل کئے تھے وہ اس دور میں دب کر رہ گئے مولانا ظفر علی خان نے اردو صحافت کو جوش و جذبہ عطا کیا۔ بے خوفی اور شکوہ سے بہرہ ور کیا۔ یہ سب باتیں اس دور کے تقاضوں اور مزاج کے مطابق تھیں۔ مولانا ظفر علی خان کی تحریروں میں پر شکوہ الفاظ بلند بانگ ترکیبوں پر جوش لہجے، عربی اور فارسی الفاظ کا غلبہ ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں بلا جھجک ایسے الفاظ اور تراکیب استعمال کرتے تھے۔ جن کو سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے دیکھا جائے تو وہ بہت دقیق اور غیر مانوس قرار پائیں گی۔ مثلاً حقیقت نفس الامری۔ رُبع مسکون، وحوش وطیور۔ ظلمت کدہ فرنگ ببانگ دہل۔ جابر۔ قاہر۔ آتش صاعقہ۔ برق استبداد۔ طاغوتی طاقتیں۔ قہر ذوی الجلال۔ کاسہ لیسان ازلی۔ ازل و ابد۔ آفرینش اقصائے عالم۔ یکتائی وغیرہ۔

مولانا ظفر علی خان کا اخبار روزنامہ تھا۔ اس کا حلقہ اثر وسیع تھا۔ اس کی اشاعت زیادہ

تھی۔ اس اخبار میں بہت سے قابل صحافی اور ادیب، کام کرتے تھے جو براہ راست یا بالواسطہ طور پر مولانا کے انداز تحریر کو عام کرنے میں حصہ لیتے تھے اس لئے کچھ عرصے تک اردو صحافت کا یہ اسلوب بے حد مقبول رہا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ مولانا ظفر علی خان کی تحریریں مشکل الفاظ اور پیچیدہ تراکیب کے باوجود ذوق شوق سے پڑھی جاتی تھیں۔ ناخواندہ لوگ بھی مولانا کا اخبار خریدتے تھے اور دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے۔

بیس پچیس سال اردو صحافت کا یہ انداز مقبول رہا۔ لیکن حالات اور زمانے کے تقاضے بدل جانے سے اس انداز میں تبدیلی آنا لازمی تھا۔ سیاست میں جوش و جذبہ کا زور کم ہوتا گیا۔ اور آئینی جدوجہد کی ضرورت بڑھتی گئی۔ محض جوش و خروش کی بجائے دلائل، منطق اور اعداد و شمار سے کام لینے کی اہمیت مسلم ہوتی گئی۔ چنانچہ اب اس امر کی ضرورت تھی کہ لوگوں کو جذباتی انداز تحریر سے جھنجھوڑنے کی بجائے ان کو دلائل سے قائل کیا جائے۔ ان میں محض وقتی جوش پیدا کرنے کی بجائے ان کے ذہنوں کو مستقل طور پر مطمئن کیا جائے۔ اور ان کو درپیش معاملات میں ایک خاص لائحہ عمل اختیار کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مولانا غلام رسول مہر نے نئی روش اختیار کی۔ اگرچہ انہوں نے زمیندار میں بھی اپنے انداز میں لکھا تھا مگر وہاں مولانا ظفر علی خان کا رنگ غالب تھا۔ چنانچہ انہوں نے بعد میں زمیندار سے علیحدگی اختیار کر کے انقلاب میں اپنے انداز سے لکھنا شروع کیا۔ مولانا غلام رسول مہر جذبات سے اپیل کرنے کی بجائے ذہنوں سے اپیل کرنے کے حق میں تھے وہ بات کو دلائل اور اعداد و شمار سے منواتے تھے۔ وہ جس مسئلہ پر قلم اٹھاتے اس کی جزئیات پر بھی تفصیل کے ساتھ بحث کرتے۔ چنانچہ انہوں نے اردو صحافت کی زبان کو دوبارہ سلیس اور عام فہم بنانے کے لئے قابل قدر کام کیا "احسان" اور "شہباز" وغیرہ نے بھی نسبتاً آسان زبان استعمال کی۔ اردو کے دوسرے مراکز سے شائع ہونے والے اخبارات بھی وقت کے تقاضوں کے تحت آسان زبان کے استعمال کی طرف مائل ہوئے۔ ادھر اردو ادب میں ترقی پسند تحریک شروع ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں

ادب میں سے رومانویت کم ہو گئی - اور اس کی جگہ معروضیت اور مقصدیت نے
لے لی -

## جدید دور:

اردو صحافت میں عقلیت اور آسان زبان کی جو نئی تحریک شروع ہوئی وہ صحافتی زبان واسلوب کی تبدیلی میں سنگ میل ثابت ہوئی ۱۹۴۰ء میں نوائے وقت جاری ہوا - جو پہلے ہفت روزہ تھا - پھر سہ روزہ بنا اور آخر میں روزنامہ بن گیا - نوائے وقت کے بانی اور مدیر حمید نظامی نے صحافت کو ادب سے الگ کرتے میں اہم کردار ادا کیا ان کو کم سے کم اور آسان سے آسان الفاظ میں بات کہنے کا ملکہ حاصل تھا - تحریک پاکستان کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد ان کا اخبار بے حد کامیاب اور مقبول رہا - اس لئے نوائے وقت کے صحافتی انداز اور اسلوب نے پوری اردو صحافت کو متاثر کیا - حمید نظامی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ صحافت کا مقصد ادبی ذوق کی تسکین نہیں ہے - یہ تو قارئین کو حالات اور واقعات سے باخبر رکھنے کا ذریعہ ہے - قارئین میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کے علاوہ نسبتاً کم پڑھے لکھے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں - اس لئے صحافتی زبان ایسی ہونی چاہیئے کہ اسے کم پڑھے لکھے لوگ بھی سمجھ سکیں -

نوائے وقت ایسے وقت جاری ہوا تھا - جب قرارداد پاکستان منظور ہو چکی تھی حصول پاکستان کی جدوجہد شروع تھی - تمام ہندو اخبارات اور جرائد مطالبہ پاکستان کے خلاف تھے - بعض مسلم اخبارات بھی کانگرس کے نقطہ نظر کے حامی تھے - حکومت کے زیر اثر اخبارات بھی ہندوستان کی تقسیم کے خلاف تھے - ان حالات میں اس بات کی ضرورت تھی کہ مسلم لیگ کے موقف کی اس طرح سے وضاحت کی جائے کہ عام لوگ سمجھ سکیں - مخالفوں کے پروپگنڈے کا موثر اور مدلل جواب دیا جائے - یہ کام جوش وجذبہ کی بجائے دلائل اور منطق کے ذریعے بہتر طور پر ہو سکتا تھا - چنانچہ اب زبان کو خیالات اور معلومات کے ابلاغ کا وسیلہ سمجھا گیا - اور یہ کوشش

کی گئی کہ زبان زیادہ سے زیادہ آسان ہو۔

قیام پاکستان کے بعد اردو صحافت کی زبان مزید آسان ہوتی گئی۔ شروع شروع میں اخبارات میں علمی و ادبی ایڈیشن بھی شائع ہوتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ علمی و ادبی مندرجات کی جگہ بھی عام معلوماتی، تفریحی اور دلچسپ قسم کے مندرجات نے لے لی۔ گویا ادب اور صحافت کے راستے الگ الگ ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد کے اردو ادب کی زبان میں بھی واضح تبدیلی نظر آتی ہے۔ تاہم ابھی علمی و ادبی زبان اور صحافتی زبان میں تھوڑا بہت فرق موجود ہے۔

# موجودہ صحافتی اردو

اس وقت صحافتی اردو دوسری انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ ایک انتہا یہ تھی کہ صحافتی اردو بھی مقفیٰ اور مسجع ہوتی تھی۔ اندازِ بیان شاعرانہ تھا۔ بلکہ خبریں بھی منظوم ہوتی تھیں۔ بعد میں یہ صورت تو نہ رہی تاہم صحافتی تحریروں میں بھی گرامر کے قواعد اور صحت زبان کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ زبان پر مکمل عبور نہ رکھنے والا شخص صحافی نہیں بن سکتا تھا۔ آج کل رپورٹروں کے لئے زبان سے اس قدر واقفیت لازمی نہیں سمجھی جاتی۔ کیونکہ رپورٹروں کا کام یہ ہے کہ وہ واقعات اور حالات کی رپورٹ تیار کریں۔ ان کی بنائی ہوئی خبریں کئی ہاتھوں سے گزرتی ہیں۔ پہلے چیف رپورٹر ان کو دیکھتا ہے۔ بعد ازاں دفتر کے خبروں کے شعبہ میں زبان کی اغلاط رہ بھی جائیں تو وہ ادارت کے عمل میں دور ہو جاتی ہیں اب تو گرامر کے قواعد اور ترکیبیں اور اصطلاحات بنانے کے اصولوں کی پابندی ضروری خیال نہیں کی جاتی۔ مولانا ظفر علی خان اور دوسرے بزرگ صحافیوں کے زمانے میں زبان کی صحت کے سلسلے میں لاپرواہی اور گرامر کے قواعد کی عدم پابندی کو برداشت نہیں کیا جاتا تھا۔

صحافتی زبان کو سلیس بنانے کا مقصد یہ تھا کہ مطلب اور مفہوم کو عام فہم بنا کر پیش کیا جائے۔ تاکہ اخبار بینی اعلیٰ تعلیم یافتہ بلکہ زباندان طبقہ تک ہی محدود نہ رہے اور تمام پڑھے لکھے لوگ بھی اسے سمجھ سکیں۔ آسان زبان لکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ زبان کی صحت اور گرامر کے قواعد کا خیال ہی نہ رکھا جائے اگرچہ اچھے اخباروں میں صحت زبان کا تھوڑا

بہت خیال رکھا جاتا ہے۔لیکن مجموعی صورت حال یہ ہے کہ اب صحافتی اردو میں گرامر کے قواعد اور تراکیب اور اصطلاحات بنانے کے اصولوں کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔اس کی چند مثالیں یہ ہیں۔

(۱) اصول یہ ہے کہ اگر کسی غیر زبان کے لفظ یا اصطلاح کا اپنی زبان میں موزوں ترجمہ ہو سکتا ہو۔تو عربی زبان یا فارسی سے موزوں الفاظ تلاش کرنے چاہئیں۔کیونکہ اردو کی تشکیل میں عربی اور فارسی کا نمایاں حصہ ہے اگر عربی،فارسی یا اردو کی تشکیل میں مدد دینے والی دوسری زبانوں میں غیر زبان کی اصطلاح یا لفظ کا متبادل موجود نہ ہو تو پھر اس لفظ کو من وعن لینے میں کوئی حرج نہیں۔لیکن بیشتر اردو اخبارات اس اصول کی پرواہ نہیں کرتے اور وہ ایسے بہت سے انگریزی الفاظ اردو املا میں لکھتے ہیں۔جن کے اردو میں بہت اچھے متبادل موجود ہیں۔

اس کی کچھ نمایاں مثالیں یہ ہیں۔

| انگریزی الفاظ یا اصطلاحات | اردو متبادل | اخبارات میں جس طرح لکھے جاتے ہیں |
|---|---|---|
| Claims | دعاوی | کلیمز |
| Order | حکم | آرڈر |
| Regulations | ضابطہ۔قاعدہ | ریگولیشن |
| Farming | کاشتکاری | فارمنگ |
| Cultural Organization, | ثقافتی انجمن | کلچرل آرگنائزیشن |
| Warning | انتباہ۔تنبیہ | وارننگ |
| Leader | قائد۔رہنما | لیڈر |
| Referendum | استصواب | ریفرنڈم |
| Local Bodies | بلدیاتی ادارے | لوکل باڈیز |

| | | |
|---|---|---|
| Cashier | خزانچی | کیشیئر |
| Social Welfare | سماجی بہبود | سوشل ویلفیئر |
| Buildings | عمارات | بلڈنگز |
| Account | حساب | اکاؤنٹ |
| Academic | علمی | اکیڈمیک |
| Advance | پیشگی | ایڈوانس |
| Licenses | اجازت | لائسنس |
| Notes | اشتہارات | نوٹس |
| Case | مقدمہ۔معاملہ | کیس |
| Causalty Ward | شعبہ حادثات | کاژلٹی وارڈ |
| Declaration | اقرارنامہ | ڈکلیریشن |
| Court Fees | عدالتی فیس | کورٹ فیس |
| Private Sector | نجی شعبہ | پرائیوٹ سیکٹر |
| Public Sector | سرکاری شعبہ | پبلک سیکٹر |
| File | مثل | فائل |
| Worker | کارکن | ورکر |
| Inquiry | تحقیقات | انکوائری |
| Laboratory | تجربہ گاہ | لیبارٹری |
| Education | تعلیم | ایجوکیشن |
| Demand | مطالبہ | ڈیمانڈ |
| Memorandum | یادداشت | میمورنڈم |

| | | |
|---|---|---|
| ہیلتھ سنٹر | مرکز صحت | Health Centre |
| ڈرگسٹ | نسخہ ساز | Druggist |
| کیمسٹ | دوا ساز | Chemist |
| پوسٹ مارٹم | بعد الموت معائنہ | Post Mortem |
| ایڈمنسٹریشن | انتظام۔ نظم ونسق | Administration |
| سسٹم | نظام | System |
| پالیٹکس | سیاست | Politics |
| سپلائی | رسد | Supply |

غرض یہ اور اس طرح کے اور بہت سے انگریزی الفاظ اردو میں جوں کے توں استعمال ہو رہے ہیں۔ حالانکہ اردو میں اس کے موزوں بدل موجود ہیں۔ کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میمورنڈم۔ ایڈمنسٹریشن اور ریگولیشن وغیرہ ایسے الفاظ آسان اور عام فہم ہیں اور نسبتاً کم پڑھے لکھے لوگ بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں۔ انگریزی الفاظ کا اُردو میں یہ استعمال محض سہل انگاری ہے، یا پھر زبان کو خواہ مخواہ مضحکہ خیز بنانے کی کوشش ہے۔ صحافتی زبان کو سلیس بنانے کا مقصد یہ تو نہیں تھا کہ کسی اصول اور قاعدے کا خیال ہی نہ رکھا جائے۔

نمبر ۲۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی غیر زبان کے الفاظ کو اپنا لیا جائے تو اپنی زبان کا لفظ تصور ہوگا۔ اور اس میں مزید ردوبدل اپنی زبان کے قواعد کے مطابق ہوگا۔ مثال کے طور پر سٹیشن اردو زبان میں آکر اردو کا حصہ بن چکا ہے۔ اب اس میں مزید ردّ و بدل اردو کے قواعد کے مطابق ہوگا۔ مثلاً اگر اس کی جمع بنانی ہے تو سٹیشنز نہیں بلکہ سٹیشنوں ہوگی۔ کیونکہ سٹیشنز انگریزی زبان کے قواعد کے مطابق جمع ہے اور سٹیشنوں اردو زبان کے قواعد کے مطابق۔ اردو اخبارات وجرائد میں زبان کے اس قاعدہ کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ مثلاً

| انگریزی الفاظ | اردو میں ان کی املا | رد و بدل کے بعد جسطرح لکھے جاتے ہیں | کسطرح لکھنے چاہئیں |
|---|---|---|---|
| School | سکول | سکولز | سکولوں |
| Claim | کلیم | کلیمز | کلیموں |
| File | فائل | فائلز | فائلوں |
| Manager | مینجر | مینجرز | مینجران۔مینجروں |
| Member | ممبر | ممبرز | ممبران۔ممبروں |
| Chemist | کیمسٹ | کیمسٹس | کیمسٹوں |
| Ticket | ٹکٹ | ٹکٹس | ٹکٹیں۔ٹکٹوں |

(۳) قاعدہ یہ ہے کہ جب دو یا دو سے زائد الفاظ کو ملا کر ترکیب بنائی جائے تو وہ ایک ہی زبان کے الفاظ سے مبنی چاہیئے۔ مثال کے طور پر ہنس مکھ میں دونوں الفاظ ہندی کے ہیں اور قاعدہ کی رو سے ترکیب صحیح ہے۔ اس کو ہنس رو، ہنس چہرہ یا ہنس منہ بنانا غلط ہے۔ تیز رفتار۔ تیز رو اور تیز گام میں ہر دو الفاظ فارسی زبان کے ہیں اور قاعدہ کی رو سے یہ صحیح ترکیبیں ہیں۔ لیکن تیز چال۔ تیز پیر وغیرہ کہنا غلط ہوگا۔ کیونکہ چال اور پیر ہندی کے الفاظ ہیں اور تیز فارسی کا۔ صحافتی زبان میں بعض اوقات اس قاعدہ کی پابندی بھی نہیں کی جاتی بلکہ عام تحریروں میں بھی اس قاعدہ کی خلاف ورزی کی مثالیں ملتی ہیں۔ بعض اوقات غلط طریقے سے تراکیب بنانے سے مضحکہ خیز صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کی چند مثالیں یہ ہیں۔

| انگریزی ترکیب | اردو میں مستعمل ترکیب | قاعدہ کی رو سے |
|---|---|---|
| Supply Centre | سپلائی مرکز | مرکز رسد |
| Threatening | دھمکی آمیز | تہدید آمیز |
| Unverified Statement | غیر تصدیق شدہ سٹیٹمنٹ | غیر تصدیق شدہ بیان یا غیر مصدقہ بیان |

| | | |
|---|---|---|
| Daily Journalism | ڈیلی صحافت | روزنامہ صحافت |
| Magazine Journalism | میگزین صحافت | مجلاتی صحافت |
| Radio Journalism | ریڈیائی جرنلزم | ریڈیائی صحافت |
| vote counting | ووٹ شماری | رائے شماری |
| Surplus budget | فاضل بجٹ | فاضل میزانیہ |
| Circular letter | گشتی لیٹر | گشتی مراسلہ |
| Directorate of Education | نظامت ایجوکیشن | نظامت تعلیم |
| Director of Education | ڈائریکٹر تعلیم | ناظم تعلیم |
| Chemistry Department | شعبہ کیمسٹری | شعبہ کیمیا |
| Oriental Arts | اورنٹیل فنون | فنون مشرقی |
| Urdu Literature | اردو لٹریچر | اردو ادب وغیرہ |

۴۔ اردو اخبارات وجرائد میں چھپنے والے مواد کا کچھ حصّہ انگریزی سے اردو میں منتقل کیا جاتا ہے ٹیلی پرنٹروں سے حاصل ہوتے والی خبریں تو ہوتی ہی انگریزی میں ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے ہاں ابھی تک اردو ٹیلی پرنٹر رائج نہیں ہو سکے۔ اس طرح بعض مضامین اور تبصرے وغیرہ بھی انگریزی مواد کو اردو میں منتقل کرتے وقت متعلقہ قواعد کا خیال نہیں رکھا جاتا اور مضحکہ خیز صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

مضحکہ خیز تراجم کی چند مثالیں یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| A great difference | عظیم فرق |
| On the screen | پردہ سکرین پہ |
| Jail-bird | جیل کا پرندہ |
| Physical construction | جسمانی تعمیر |
| Physical check up | جسمانی دیکھ بھال |

Paucity of sugur — چینی کا قحط الرجال

Labour Room — مزدوروں کا کمرہ وغیرہ

غیر ملکی اوزان پیمانوں اور اعداد وشمار کے ترجمہ میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ یہ صورت حال پیدا ہونے کے دو سبب ہیں اول یہ کہ ترجمہ پر مامور افراد اہل نہیں ہوتے۔ اور زبان پر قادر نہ ہونے کے باعث صحیح ترجمہ نہیں کر پاتے۔ دوسرا یہ کہ وہ جلدی اور لاپرواہی میں ایسا کرتے ہیں سوچ بچار نہیں کرتے۔ لغت سے استفادہ نہیں کرتے۔ کام کو بیگار سمجھ کر محنت سے جی چراتے ہیں۔ وجہ کچھ بھی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ صحافتی اردو کو آسان بنانے کی تحریک اب یہ صورت اختیار کر چکی ہے کہ آسان نویسی اور سادگی کے نام پر زبان کے قواعد کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ جو کسی لحاظ سے بھی قابل تعریف نہیں آسان زبان لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ

کا ترجمہ ششدر کن درجہ حیرت میں ڈالنے والا۔ دریائے حیرت میں ڈالنے والا تعجب خیز۔ معرض تعجب میں ڈالنے والا کرنے کی بجائے حیرا کن کن یا حیران کرنے والا کہا جائے۔ نا کہ اسے اسٹانشنگ لکھ دیا جائے۔

صحافتی اردو کی موجودہ صورت کو اگر صحیح اور مستند مان لیا جائے۔ تو نہ صرف مترجموں بلکہ ان لوگوں کی تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ جو اردو پر عبور نہیں رکھتے۔ وہ جس طرح چاہیں۔ غلط سلط زبان میں اپنے خیالات ظاہر کر سکتے ہیں اور انگریزی کے جن الفاظ کے اردو معانی کا پتہ نہ ہو ان کو اردو رسم الخط میں جوں کے توں لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا کرنا زبان اور ابلاغ کے ساتھ زیادتی ہے۔ زبان کے قواعد کی پابندی ہر حال میں لازمی ہے۔ موجودہ صحافتی اردو کو مزید سلیس بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن سلاست کی آڑ میں اس میں انگریزی الفاظ کا بکثرت استعمال نا واجب ہے۔

# ترجمہ

**ضرورت:۔** ترجمہ ایک بنیادی علمی ضرورت ہے۔ علم تمام انسانوں کا ورثہ اور متاع ہے۔ چنانچہ جب سے کتابیں اور رسالے لکھنے کا سلسلہ شروع ہے۔ علم کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا سلسلہ بھی جاری ہے یونانی تہذیب کے عروج کے زمانے میں یونان میں کئی فلسفی اور مفکر پیدا ہوئے۔ جنہوں نے کتابیں لکھیں۔ ظہورِ اسلام کے بعد عربوں کو عروج اور علم نصیب ہوا تو انہوں نے یونانی علوم سے بھی استفادہ کیا۔ اور بہت سی یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ جس وقت بغداد۔ دمشق۔ قاہرہ اور قسطنطنیہ میں علم و ادب کے دریا بہہ رہے تھے۔ اس وقت پورا یورپ جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب یورپی اقوام علم سے بہرہ ور ہوئیں۔ تو انہوں نے عربی کی ہزاروں کتابوں کے ترجمے کئے اور ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ جب یورپ نے صنعتی انقلاب کی بدولت دنیا میں غالب حیثیت حاصل کر لی۔ تو انگریزی۔ فرانسیسی اور جرمن میں قابلِ قدر علمی اور ادبی کتابیں لکھی گئیں۔ دوسری اقوام نے تراجم کے ذریعے ان سے استفادہ کیا۔

اس وقت دنیا میں کوئی ملک بھی ایسا نہیں ہوگا۔ جس میں علمی، ادبی اور سائنسی مواد کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا انتظام موجود نہ ہو۔ ترقی یافتہ ملکوں میں یہ انتظام وسیع پیمانہ پر کیا جاتا ہے۔ جن ملکوں کی زبان انگریزی ہے وہاں دوسری زبانوں مثلاً چینی۔ روسی۔ عربی۔ فارسی اور اردو وغیرہ سے انگریزی میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔ جہاں

کی زبان انگریزی نہیں ہے۔ وہاں انگریزی یا دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے قومی یا مقامی زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔

پاکستان کی قومی زبان اردو ہے۔ مگر سرکاری اور دفتری زبان انگریزی ہے۔ عوامی سطح پر اردو بولی لکھی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مقامی زبانیں بھی وسیلۂ اظہار ہیں۔ مگر ملت پاکستان کا علمی۔ ادبی۔ دینی اور تہذیبی سرمایہ اردو میں موجود ہے۔ بیشتر اخبارات اور جرائد بھی اردو زبان میں شائع ہوتے ہیں اور ان کی اشاعت بھی زیادہ ہے پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے اس لئے دوسری زبانوں میں جدید علمی و فنی معلومات کو اردو میں منتقل کرنا ایک اہم ضرورت ہے۔ سرکاری زبان انگریزی ہونے کے باعث دوسرے ملکوں سے رابطہ کی زبان بھی ابھی تک انگریزی ہے۔ اخبارات اور ابلاغ عام کے دوسرے ذرائع کے دفاتر میں پہنچنے والی معلومات زیادہ تر انگریزی ہی میں ہوتی ہیں۔ ہمارے ہاں ٹیلی پرنٹر سے حاصل ہونے والی خبریں انگریزی ہی میں ہوتی ہیں اور اردو اخبارات۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے دفاتر میں ان کو اردو میں منتقل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ نہ صرف پاکستان میں بلکہ ہر ملک میں ایک زبان سے جو مواد دوسری زبان میں منتقل کیا جاتا ہے۔ اس کی عموماً دو قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) عام علمی ادبی اور فنی مواد

(۲) صحافتی مواد

اگرچہ دونوں قسم کے مواد کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرتے وقت بعض مسلمہ اصولوں کی پابندی کرنی پڑتی ہے تاہم عام علمی و ادبی یا فنی مواد کے ترجمہ اور صحافتی مواد کے ترجمہ میں تھوڑا سا فرق ہے۔

## علمی، ادبی اور فنی مواد کا ترجمہ

علمی، ادبی اور فنی مواد کو ایک زبان سے دوسری میں منتقل کرنا خاصا مشکل

ہے۔ یہ کام وہی شخص صحیح طور پر کر سکتا ہے جو متعلقہ علم، صنعت، ادب یا فن کا ماہر ہونے کے علاوہ دونوں زبانوں پر مکمل طور پر قادر ہو۔ ترجمہ کا حق اس وقت ادا ہوتا ہے جب مفہوم اپنی تمام گہرائیوں وسعتوں نزاکتوں اور پیچیدگیوں سمیت پوری طرح دوسری زبان میں منتقل ہو جائے۔ کامیاب ترجمہ اسے قرار دیا جاتا ہے جسے پڑھنے کے بعد یہ گمان گزرے کہ یہ ترجمہ نہیں ہے بلکہ اصلاً اسی زبان میں لکھا گیا ہے۔ چنانچہ باکمال اور کامیاب مترجم وہی شخص بن سکتا ہے۔ جو دوسری زبانوں کے محاورات۔ روزمرہ ضرب الامثال اور مختلف پیرایہ ہائے اظہار سے پوری طرح باخبر ہو اور متعلقہ علم یا فن کی اصطلاحات سے واقف ہو۔ دونوں زبانوں کی نزاکتوں اور باریکیوں کو سمجھتا ہو۔ قوموں اور انسانوں کی طرح زبان کے بھی مختلف مزاج ہوتے ہیں۔ ان کے جملے بناتے۔ فاعل۔ فعل۔ مفعول اور متعلقات وغیرہ کے استعمال اور در و بست کے طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ تاہم ان تمام باتوں کے باوجود علمی، ادبی اور فنی مواد کا ترجمہ کرنے میں کچھ آسانیاں بھی ہیں مثلاً۔

۱۔ علمی، ادبی یا فنی نوعیت کے مواد کا ترجمہ کرنے کے لئے متعلقہ علم یا فن کے ماہر کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ ترجمہ بجائے خود ایک فن ہے اور بعض لوگ بطور ماہر مترجم کے شہرت حاصل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے ماہروں کی خدمات حاصل کر کے اچھا ترجمہ کروایا جا سکتا ہے۔

۲۔ علمی، ادبی یا فنی مواد کا ترجمہ فرصت کے اوقات میں سوچ سوچ کر کیا جا سکتا ہے لغت سے خاطر خواہ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ مشکل اصطلاحات یا پیچیدہ مفاہیم کی وضاحت کے لئے دوسرے اہل علم سے مشورہ کیا جا سکتا ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر مزے سے ترجمہ کرنے سے اس میں وہی خوبی پیدا کی جا سکتی ہے۔ جو کہ بہترین ترجمہ میں ہونی چاہیئے۔

(۳) علمی، ادبی یا فنی مواد کا ترجمہ کرنے کے بعد اس پہ فوراً نظر ثانی کی جا سکتی ہے یا کسی دوسرے ماہر سے نظر ثانی کروائی جا سکتی ہے۔ ایک بار ترجمہ کرتے سے اس میں کچھ خامیاں رہ گئی ہوں تو ان کو نظر ثانی کے دوران دور کیا جا سکتا ہے۔

## صحافتی مواد کا ترجمہ

صحافتی مواد کا ترجمہ کرنے لئے جو اوصاف درکار ہیں وہ زیادہ مختلف نہیں ہیں تاہم صحافتی مواد کا ترجمہ۔ علمی، ادبی یا فنی مواد کے ترجمہ سے مندرجہ ذیل صورتوں میں مختلف ہوتا ہے۔

(۱) اردو اخبارات میں سب ایڈیٹر زیادہ تر ترجمہ کا کام کرتے ہیں، چنانچہ ان کا انتخاب کرتے وقت یہ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ ترجمہ کر سکتے ہیں یا نہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تو اشتہار بھی اسی نوعیت کے دیئے جاتے تھے کہ اخبار کے لئے مترجموں کی ضرورت ہے سب ایڈیٹر نے مقررہ وقت میں کام مکمل کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ اسے جلدی جلدی ترجمہ کرنا پڑتا ہے اگرچہ وہ لغت وغیرہ استعمال کر سکتا ہے۔ مگر اس کے پاس سوچ بچار کے لئے زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ اگر وہ قلم برداشتہ ترجمہ نہیں کر سکے گا۔ اور ترجمہ صحیح اور موزوں نہیں ہو گا۔ تو وہ نااہل تصور ہو گا۔

(۲) اردو اخبارات کے سب ایڈیٹروں اور ریڈیو اور ٹیلیویژن کے مترجموں کو ہر روز مختلف قسموں کے مواد کا ترجمہ کرنا پڑتا ہے۔ خبری مواد سیاسی، اقتصادی سائنسی، فنی معاشرتی۔ علمی غرض کئی طرح کا ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی مترجم کو حادثات۔ جرائم۔ کھیلوں عدالتوں جلسوں اور جلوسوں کی خبروں کا ترجمہ کرنا پڑتا ہے ہر قسم کی خبر کا صحیح اور موزوں ترجمہ کرنے کے لئے اس شعبہ سے واقفیت اور متعلقہ اصطلاحات کا علم ضروری ہے۔ لیکن کسی شخص کا ہمہ دان ہونا بھی ممکن نہیں ہے تاہم یہ ضروری ہے کہ صحافتی مواد کا ترجمہ کرنے والا عام مترجم سے زیادہ واقفیت عامہ

رکھتا ہو اور وہ زندگی اور معاشرہ کے تمام پہلوؤں اور علوم، فنون کی مختلف شاخوں کے بارے میں تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہو۔

۳- ایک عالم فاضل شخص اپنے شعبہ علم و فن پر مکمل عبور حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ کامیاب اخبار نویس بن سکے۔ صحافی بننے کے لئے ملکی و بین الاقوامی حالات حاضرہ سے آگاہی ضروری ہے۔ دنیا میں مفادات نظریات یا قوموں اور گروہوں کے درمیان ہونے والی سرد اور گرم جنگ اس کے محرکات اور اس کی وسعتوں سے باخبر ہونا ضروری ہے اگرچہ ہر اخبار میں تازہ خبریں شائع ہوتی ہیں۔ اور ریڈیو یا ٹیلی وژن کے بلیٹن میں بھی تازہ خبریں ہوتی ہیں۔ لیکن بیشتر خبروں کا پس منظر موجود ہوتا ہے۔ صرف حادثات کی خبریں ایسی ہوتی ہیں جو اچانک خبریں بنتی ہیں چنانچہ صحافتی مواد کے ترجمہ کے لئے صرف دو توں زبانوں پر عبور رکھنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ حالات حاضرہ ان کے پس منظر موجودہ رجحانات سیاسی جماعتوں کے پروگراموں پالیسیوں منشوروں، سیاسی رہنماؤں کے نظریات اور ان کے ماضی سے آگاہی بھی ضروری ہے۔

۴، صحافتی مواد خصوصاً خبروں کے ترجمہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عبارت کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کر دیا جائے۔ مترجم کے لئے مفہوم کو کم سے کم الفاظ میں بیان کرنا۔ مفہوم کی پیچیدگی کو واضح کرنا اور بعض چیزوں کا پس منظر دینا ضروری ہوتا ہے گویا اس کے لئے کامیاب مترجم ہونے کے علاوہ جزی اقدار سے باخبری اور خبریت کے شعور سے بہرہ ور ہونا بھی لازمی ہے۔

۵- یہ دور ایجادات اور تغیرات کا دور ہے۔ ایجادات اور تبدیلیاں اپنے نام اور اصطلاحات ساتھ لاتی ہیں چنانچہ مترجم کو ان ناموں اور اصطلاحات کو اپنی زبان میں ڈھالتے وقت اپنی زبان میں نئی موزوں اصطلاحات وضع کرنی پڑتی ہیں۔ چنانچہ اس کا اصطلاح سازی کے قواعد اور غیر زبانوں کے الفاظ کو اپناتے کے اصولوں سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے۔

ان تمام باتوں سے واضح ہے کہ ہر پڑھا لکھا شخص کامیاب مترجم نہیں بن سکتا صحافتی مواد کا مہارت اور کامیابی کے ساتھ ترجمہ کرنے کے لئے چند خصوصی اوصاف درکار ہیں جن کا ذکر آگے کیا گیا ہے۔

# مترجم کے اوصاف

**۱۔ زبان پر عبور:۔** مترجم بننے کے لئے دو زبانوں پر مکمل عبور لازمی شرط ہے ایک وہ زبان جس میں ترجمہ کیا جائے اور دوسری وہ جس میں ترجمہ کیا جانے والا مواد موجود ہو۔ اگر ایک زبان پر گرفت مکمل نہیں ہو گی۔ تو مفہوم کو سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے یا مفہوم کو بامحاورہ اور صحیح زبان میں ادا کرنے میں دقت پیش آسکتی ہے

**۲۔ حالات حاضرہ سے واقفیت:۔** صحافتی مواد کا ترجمہ کرنے کے لئے حالات حاضرہ سے واقفیت لازمی ہے۔ اور یہ واقفیت محض سیاسی حالات تک محدود نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کی موجودہ صورت حال بلکہ اس کے پس منظر سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ خبریں آج کی ہمہ جہتی صورت حال سے گہرا تعلق رکھتی ہیں اس لئے زمان و مکاں سے بے خبری کے عالم میں صحافتی مواد کا ترجمہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

**۳۔ متعلقہ علم، فن پر عبور** علمی۔ ادبی۔ فنی سائنسی یا اس قسم کے دوسرے مواد کا ترجمہ کرنے کے لئے متعلقہ علم یا فن پر عبور ضروری ہے اور صحافتی مواد کا ترجمہ کرنے کے لئے تمام باتوں سے تھوڑی بہت واقفیت لازمی ہے اگرچہ ہر فن مولا کسی فن میں ماہر نہیں ہوتا۔ تاہم صحافی بالعموم اور مترجم بالخصوص وہی شخص بن سکتا ہے۔ جو ہر فن کی بنیادی چیزوں کو جانتا ہو۔

**۴۔ واقفیت عامہ:** صحافتی مواد کا ترجمہ کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ واقفیت عامہ کی ضرورت ہے۔ بالخصوص تاریخ اور جغرافیہ سے واقفیت انتہائی ضروری ہے۔

غیر زبان میں موجود صحافتی مواد کا ترجمہ کرتے وقت ملکوں، شہروں اور مقامات کے ناموں۔ حالات کے پس منظر، اوزان پیمانوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں کا ترجمہ کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر انگریزی میں سات ملین ڈالر یا پانچ ملین روبل کے الفاظ موجود ہیں تو ترجمہ کرتے وقت یہ بتانا چاہیئے کہ سات ملین ڈالر کتنے پاکستانی روپوں کے برابر ہیں۔ اور پانچ ملین ڈالر کتنے پاکستانی روپوں کے مساوی ہیں نیز ملین کتنے لاکھ کا ہے۔ اس مثال سے واضح ہے کہ صحافتی مواد کا ترجمہ محض لفظی ترجمہ نہیں ہوتا۔ بہت سی چیزوں کو مترجم نے اپنے علم کی مدد سے قابل فہم بنانا ہوتا ہے۔

**۵۔ مفہوم شناسی اور اختصار کی مہارت** صحافتی مواد کا ترجمہ کرنے کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ مترجم جلد مفہوم سمجھ لے۔ اور اسے اختصار کے ساتھ بیان کر دے۔ صحافتی مواد خصوصاً خبروں کا لفظی ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ بعض خبروں کا خلاصہ تیار کرنا ہوتا ہے۔ بعض کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیرونی ذرائع سے حاصل ہونے والی خبریں عموماً طویل ہوتی ہیں۔ لیکن اخبارات مقامی اور قومی خبریں تو جامع اور مفصل صورت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن بہت سی خبروں کو انتہائی اختصار کے ساتھ شائع کرتا ہے چنانچہ مترجم میں یہ خوبی ہونی چاہیئے کہ وہ مواد پر نظر ڈال کر اہم بات کی تہہ تک جلد پہنچ جائے اور پھر اسے اختصار کے ساتھ لکھ سکے۔

**۶۔ مستعدی:** اخبار یا دوسرے ذرائع ابلاغ میں ترجمے اور خبروں کی ادارت کا کام تیزی سے ہوتا ہے۔ مقررہ وقت پر کاپی تیار کرنا ہوتی ہے

یا نیوز بلیٹن مکمل کرنا ہوتا ہے اس لیے اس کام سے وہی شخص بہتر طور پر عہدہ برآمد ہو سکتا ہے جو مستعد ہو اور تیزی سے کام کر سکتا ہو۔ فطرتاً سست یا غیر مستعد لوگ وقت کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ بعض اوقات چند لمحوں میں ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے مستعدی اور پھرتی کی ضرورت ہے۔

**۷۔ کریڈ پڑھنے کا فن** ٹیلی پرنٹر سے حاصل ہونے والی خبریں صحافتی اصطلاح میں کریڈ کہلاتی ہیں۔ یہ خبریں چونکہ ٹیلی پرنٹر کے ذریعے آتی ہیں اس لئے خبروں یا تبصروں اور فیچروں وغیرہ کے متن میں ختمہ۔ وقفہ۔ واوین سوالیہ فجائیہ غرض یہ رموز اوقاف وغیرہ نہیں ہوتے۔ بعض اوقات حروف غلط بھی ٹائپ ہو جاتے ہیں، چنانچہ کریڈ پڑھنے کے لئے خصوصی مہارت درکار ہوتی ہے۔ جو شخص یہ مہارت نہ رکھتا ہو وہ خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو کریڈ پڑھ کر خبر نہیں بنا سکتا۔

**۸۔ فنی امور سے واقفیت** بعض اوقات اخباروں اور دوسرے ذرائع ابلاغ کے دفاتر میں ایسا مواد آتا ہے جو غیر صحافیوں نے تیار کیا ہوتا ہے۔ مثلاً ایجنسیاں اپنی لمبی چوڑی کارروائیاں بھیج دیتی ہیں۔ تعلقات عامہ کے دفاتر۔ سفارتخانے۔ سرکاری یا غیر سرکاری محکمے ایسا مواد بھیجتے ہیں۔ جو صحافتی تحریر کے تقاضوں کے خلاف ہوتا ہے۔ اس کا ترجمہ کرتے وقت اُسے مختصر کرنے کے علاوہ ترجمہ کو مخصوص ہیئت میں ڈھالنا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک خاص مواد سے خبر تیار کرنی ہے تو خبر کے ابتدائیے اور اس کے اصل متن کو خاص ترتیب کے ساتھ لکھنا ہوتا ہے۔ پیراگراف بنانے ہوتے ہیں۔ ضمنی یا ذیلی سرخیاں نکالنا ہوتی ہیں۔ یہ سب کام فنی نوعیت کے ہیں۔ ان پر مکمل عبور رکھنے والا شخص ہی کامیاب مترجم ہو سکتا ہے۔

۹۔ **خواندگی** : مواد کو تیزی سے پڑھنے کی صلاحیت بھی اس دور میں

ایک ضرورت بن چکی ہے۔ ابلاغ عامہ کے دفاتر میں مواد کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں۔ مترجم جو عموماً سب ایڈیٹر ہوتے ہیں۔ پہلے مرحلہ میں مواد کے انبار کو کھنگال کر اہم اور قابل اشاعت مواد کو الگ کرتے ہیں۔ ایسا کرتے وقت مواد پر سرسری نظر ڈال کر اس کی اہمیت کا اندازہ لگانا ہوتا ہے۔ جو شخص تیزی سے مواد پڑھ سکتا ہے۔ وہ مواد کے انتخاب کا مرحلہ جلد طے کر لیتا ہے۔ دوسرے مرحلہ میں منتخب کردہ مواد کا ترجمہ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اختصار کے ساتھ چنانچہ اس بات کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ مواد کو تیزی سے پڑھ کر اہم باتیں ذہن نشین کر لی جائیں۔ اور ان کا ترجمہ کر دیا جائے۔ جو شخص مواد کو تیزی سے نہیں پڑھ سکتا۔ وہ اپنا کام جلد ختم نہیں کر سکے گا۔ تیز رفتاری کے اس دور میں سست رفتاری کی گنجائش نہیں ہے۔

اس زمانہ میں تو عام پڑھے لکھے شخص کے لئے بھی تیز پڑھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہونا ضروری ہے۔ اب اخبارات و جرائد اتنی زیادہ تعداد میں شائع ہوتے ہیں۔ اور ان کی ضخامت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ان کو روایتی انداز میں پڑھنے میں بڑا وقت صرف ہوتا ہے۔ دفاتر میں فائلوں کے انبار لگے ہوتے ہیں۔ ان کو نپٹانے کیلئے ان کو تیزی سے پڑھ کر سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ ترقی یافتہ ملکوں میں تو اب مواد کو تیزی سے پڑھنے کی ضرورت یوں تسلیم کی گئی ہے کہ تیز خواندگی کی تربیت دینے والے ادارے قائم ہو چکے ہیں۔

ہمارے ہاں اردو اخبارات سے وابستہ مترجموں ہی کے لئے ان خوبیوں سے بہرہ ور ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ انگریزی اخباروں سے وابستہ صحافیوں کے لئے بھی ضروری ہے ہمارے ملک میں اب بہت سا کام قومی اور علاقائی زبانوں میں ہوتا ہے۔ انگریزی اخبارات سے وابستہ رپورٹروں اور سب ایڈیٹروں کو ان کا انگریزی میں ترجمہ کرنا ہوتا ہے چنانچہ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام اوصاف سے بہرہ ور ہوں۔

# ترجمہ کے اصول

ترجمہ عام، علمی یا ادبی مواد کا ہو یا صحافتی مواد کا، اس کے لئے چند واضح اصول مقرر ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں

**(۱) مفہوم کی ادائیگی** ترجمہ کرتے وقت ایک زبان کی عبارت میں موجود مفہوم کو دوسری زبان میں منتقل کرنا چاہیئے۔ اگر مفہوم کو سمجھ کر اسے اپنے الفاظ میں بیان یا تحریر کیا جائے تو وہ بہتر طور پر ادا ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس لفظی ترجمہ کیا جائے تو مفہوم کے ابلاغ میں پیچیدگی پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے اس لئے کہ ہر زبان میں جملوں کی ساخت اور تراکیب وضع کرنے کے قاعدے مختلف ہوتے ہیں۔ ترجمہ صحیح اور بامحاورہ تبھی ہو سکتا ہے جب مفہوم کو سمجھ کر دوسری زبان میں منتقل کر دیا جائے۔

**۲۔ مختصر جملے** جس عبارت کا ترجمہ کرنا مقصود ہو وہ طویل جملوں پر بھی مشتمل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ یہ ضروری نہیں کہ انگریزی کے ایک جملے کو اردو کے ایک ہی جملہ میں منتقل کیا جائے۔ یا اردو کے ایک جملہ کو انگریزی کے ایک ہی جملہ میں ڈھالا جائے۔ ترجمہ کرتے وقت مفہوم کو ایک سے زیادہ جملوں میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک طویل جملے کا ترجمہ کرنا ہو تو اسے دو یا دو سے زائد مختصر جملوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

**۳۔ اصطلاحات** :- اصطلاح کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ جن الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے

ان کے لغوی معنی بیان نہیں کرتی۔ چنانچہ بیشتر الفاظ کے دو معنی ہوتے ہیں۔ لفظی اور اصطلاحی۔ اصطلاحات کا لفظی ترجمہ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ ان کا مفہوم سمجھ کر اپنی زبان کی وہ اصطلاح یا الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ جو اس مفہوم کو ادا کرتے ہوں۔ ہر علم اور فن کی مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں۔ مثلاً معاشیات سے متعلق مواد میں اگر Demand کا لفظ موجود ہو تو اس کا ترجمہ مطالبہ نہیں بلکہ مانگ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ لفظی یا مروجہ ترجمہ کرنے سے مفہوم کچھ کا کچھ ہو جائے گا۔ اگر ایک زبان کی اصطلاح کی متبادل اصطلاح پہلے سے موجود نہ ہو۔ تو اصطلاح سازی کے اصولوں کی روشنی میں نئی اصطلاح وضع کرنی چاہیئے یا پھر اس اصطلاح کو اپنی زبان میں شامل کر لینا چاہیئے۔

کا لفظی ترجمہ سفید کاغذ ہے۔ لیکن اس کا اصطلاحی مفہوم مختلف ہے۔ پہلے صحافی اِس کا ترجمہ قرطاس ابیض کرتے تھے۔ آج کل انگریزی کے

کو اُردو میں وائٹ پیپر ہی لکھ دیا جاتا ہے گویا انگریزی زبان کی ایک اصطلاح اب اردو زبان میں شامل ہو کر اس کا حصہ بن گئی ہے۔ اور قرطاس ابیض کو قبولیت عامہ کی سند حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس بحث سے ظاہر ہے کہ اصطلاحات کا لفظی ترجمہ مضحکہ خیز بن جائے گا۔ چنانچہ اصطلاح کا ترجمہ بھی اصطلاح ہی میں ہونا چاہیئے۔ اس سلسلے میں متعلقہ علوم، فنون کی اصطلاحات پر مشتمل کتابیں یا کتب لغت سے استفادہ کیا جانا چاہیئے۔

**مختصرات کا ترجمہ:-** بعض زبانوں میں الفاظ کو تحریر میں بار بار دہرانے یا ان کو اِن کی مکمل شکل میں لکھنے کی بجائے ان کو مختصر صورت میں لکھا جاتا ہے۔ اس سے وقت اور جگہ دونوں کی بچت ہوتی ہے۔ ہر زبان میں مختصرات کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ترجمہ کرتے وقت مختلف زبانوں میں مختصرات کے طریقوں میں موجود فرق کا خیال رکھنا چاہیئے۔ انگریزی میں

Maj. Capt. Lt. Col. Deptt. Govt.

مختصرات کی مثالیں ہیں۔ اس طرح بعض علامات بھی مختصرات کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً        وغیرہ۔ اردو میں اِن مختصرات کو مکمل الفاظ میں لکھنا ہوگا ورنہ مضحکہ خیز صورت پیدا ہو جائے گی۔ اس طرح اردو میں صلے اللہ و علیہ وسلم کو صلعم یا ﷺ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو رضؓ رحمت اللہ علیہ کو رحؒ اور علیہ اسلام کو عؑ لکھنے کا رواج موجود ہے۔ انگریزی میں ﷺ، رضؓ، اور عؑ کا ترجمہ نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ پورے الفاظ کا ترجمہ کرنا پڑے گا۔

**نام :-**

صحافتی مواد خصوصاً خبروں وغیرہ میں ملکوں کے نام کی بجائے دارالحکومتوں کے نام استعمال کرنے کا رواج ہے۔ چونکہ اخبارات میں آئے دن ملکوں کا ذکر ہوتا رہتا ہے اس لئے بار بار عوامی جمہوریہ چین یا ریاستہائے متحدہ امریکہ کہنے کی بجائے پیکنگ اور واشنگٹن لکھنے سے مقصد پورا ہو جاتا ہے اور "عوامی جمہوریہ چین" کا ردعمل کی بجائے پیکنگ کا ردعمل لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن بعض اوقات دارالحکومتوں کے ناموں کی بجائے ملکوں کے نام لکھنے پڑتے ہیں چونکہ کبھی کبھی ایسے دارالحکومتوں سے خبریں آتی ہیں جو زیادہ معروف نہیں ہوتے۔ ایسی صورت میں ملکوں کے نام لکھنا مناسب ہوتا ہے۔ چنانچہ مترجم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کہاں اور کب ملک کا نام اور کب دارالحکومت کا نام لکھنا ہے۔

## لغت کا استعمال

مترجم خواہ کتنا ہی قابل ہو۔ اس کا ذخیرہ لغت خواہ کتنا ہی وسیع ہو۔ وہ ہمہ دان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ہر لکھنے پڑھنے والے شخص کو لغت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مترجم کو بھی لغت سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ اور نہ صرف اس وقت لغت دیکھنی چاہیئے جب کوئی لفظ یا اس کا معنی سمجھ میں نہ آتا ہو۔ بلکہ اظہار کو مؤثر بنانے کے لئے موزوں الفاظ کے انتخاب کے لئے بھی لغت دیکھنی چاہیئے۔ لغت کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ لکھنے پڑھنے میں اس سے مدد لی جائے

بعض مترجم یہ سمجھتے ہیں کہ شاید بار بار لغت استعمال کرنے سے ان کی اہلیت پر حرف آئے گا۔ ایسا سوچنا یا بار بار لغت دیکھنے والوں کو نا اہل سمجھنا غلطی ہے۔ لغت میں الفاظ کے نہ صرف معانی بلکہ مترادفات بھی درج ہوتے ہیں۔ اس لئے لغت دیکھنے سے زیادہ موزوں الفاظ مل سکتے ہیں۔

# اصطلاحات Terms

لفظ اصطلاح اردو میں انگریزی لفظ **Term** کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس کے لفظی معنے اتفاق ہیں۔ لیکن عام طور پر یہ مصطلح یعنی متفق علیہ کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اصطلاح اس لفظ یا مجموعہ الفاظ کو کہا جاتا ہے۔ جو اپنے لغوی معنوں سے ہٹ کر کوئی مناسب اور متفق علیہ معنی ادا کرے مثلاً

(۱) حرف کے لفظی معنی کنارہ ہیں۔ لیکن گرامر میں حرف کلمہ کے معنوں میں مستعمل ہے گویا حرف گرامر کی اصطلاح ہے۔ جس کے اصطلاحی معنی کلمہ کے ہیں۔

(۲) رکن کے معنی فرد کے ہیں۔ لیکن رکن اصطلاح میں چار رکنی مصرع ہے۔

(۳) طلب اور رسد کے لفظی معنی مانگ اور فراہمی کے ہیں۔ عام طور پر یہ الفاظ لغوی معنوں میں ہی استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی اس کو چائے کی طلب محسوس ہوئی۔ اسے سگرٹ کی طلب ہے۔ کارپوریشن کی جانب سے پانی کی فراہمی کا انتظام تسلی بخش ہے ڈپو پر آٹے کی فراہمی جاری ہے وغیرہ۔ لیکن علم معاشیات میں ان دونوں کے معنی ذرا مختلف ہیں اقتصادیات میں مانگ سے مراد ہے اشیائے ضرورت کی مطلوبہ مقدار و تعداد جو میسر ہے اس لئے معاشیات میں مانگ وسیع تر طلب اور فراہمی وسیع تر رسد کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔

(۴) سرخی۔ چوکھٹا۔ پیشانی۔ رول اور لیڈر کے لفظی معنے سب کو معلوم ہیں۔ لیکن صحافت میں یہ تمام الفاظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ صحافت میں خبر کا عنوان

سرخی کہلاتا ہے۔ جس خبر کے چاروں طرف نمایاں لکیر دی گئی ہو اسے چوکھٹا کہا جاتا ہے اخبار یا رسالے کے نام کی تختی پیشانی کہلاتی ہے۔ اور کالموں کے درمیان یا ایک کالم میں خبروں یا سرخیوں کے درمیان استعمال ہونے والی لکیر رول کہلاتی ہے۔

فعل۔ فاعل۔ مفعول۔ صفت اِسم۔ معرفہ۔ اسم عام وغیرہ ایسے الفاظ ہیں۔ جن کے لغوی معنے اور ہیں۔ مگر یہ گرامر کی اصطلاحات کی حیثیت سے لفظی معنوں میں استعمال نہیں ہوتے۔ بلکہ جملے کی ترتیب اور مفہوم کی ادائیگی میں بعض الفاظ کے استعمال انتخاب اور نشست کی کیفیت اور ضرورت ظاہر کرتے ہیں۔

کتاب ہاتھ، انگلی۔ کاغذ۔ کرسی۔ میز۔ سیاہی وغیرہ ایسے الفاظ ہیں۔ جن کو لسانیاتی اصطلاحات میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ زبان کے عام الفاظ ہیں جو لغوی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ بول چال میں ان کے وہی معنے ہیں جو لغت میں درج ہیں۔ چنانچہ جو لفظ یا مجموعہ الفاظ لغوی مفہوم سے ہٹ کر کوئی معنے دے اور وہ معنے متفق علیہ ہوں اسے اصطلاح کہا جائے گا۔

ہر فن یا علم کی مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں۔ جو اس فن یا علم کے دائرہ میں لفظی معنوں کی بجائے کچھ اور معنے دیتی ہیں۔ اس فن یا علم سے متعلق گفتگو اور بحث میں اصطلاحات کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ چنانچہ منطق فلسفہ۔ سیاسیات۔ تصوف زبان اقتصادیات۔ طبیعات کیمیا۔ موسیقی ادب۔ سائنس غرض تمام علوم فنون کی الگ الگ اصطلاحات ہیں۔

ہر فن اور علم کے لئے ان اصطلاحات کی حیثیت وہی ہے۔ جو کسی عمارت کیلئے اس کی بنیاد کی۔

## اصطلاحات کی قسمیں

اصطلاحات دو قسم کی ہوتی ہیں۔ مفرد اور مرکب۔ مفرد کا مطلب ہے ایک لفظی اصطلاح جیسے طلب۔ سد

سرخی۔ چوکھٹا۔ پیشانی۔ کالم وغیرہ۔ مرکب اصطلاح وہ ہوتی ہے۔ جو دو یا دو سے زائد الفاظ پر مشتمل ہو۔ مثلاً افراطِ زر۔ تفریطِ زر۔ خصوصی اشاعت۔ معیاری اخبار۔ زرد صحافت۔ سرخ انقلاب۔ سیاہ بیج۔ گرم بازاری۔ مندا بازار۔ بلند گو یعنی لاوڈ سپیکر۔ بعض اصطلاحات ایسی ہیں کہ دوسری زبان میں وہ مفرد ہوتی ہیں۔ لیکن اردو میں مرکب بن جاتی ہیں۔ مثلاً اقتصادیات کی انگریزی اصطلاح Inflation مفرد ہے۔ مگر اردو میں افراطِ زر ہے جو مرکب ہے چنانچہ اصطلاحات جب ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہوتی ہیں تو ان میں ردو بدل ہو سکتا ہے۔ مفرد اصطلاح مرکب بن سکتی ہے۔ اور مرکب مفرد۔

## اصطلاحات کی ضرورت

ہر زندہ زبان میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ زمانہ تغیر پذیر ہے۔ خصوصاً موجودہ سائنسی دور میں تو تبدیلیوں کی رفتار بے حد تیز ہو چکی ہے۔ ایجادات۔ اختراعات۔ انکشافات۔ روز مرہ کا معمول ہیں۔ ہر نئی ایجاد۔ اختراع یا انکشاف کے نتیجہ میں زبان میں نئے الفاظ اور اصطلاحات کا اضافہ ہوتا ہے۔ کیونکہ نئی چیز کا کوئی نہ کوئی نام رکھنا پڑتا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے ایک کنبہ میں نئے بچے کی آمد پہ اس کا نام رکھا جاتا ہے۔ ہر ترقی یافتہ اور زندہ زبان میں نئے الفاظ یا اصطلاحات وضع کرنے کے قاعدے مقرر ہوتے ہیں کبھی تو اصطلاحات (نئے نام) ایجادات یعنی نئی چیزوں کی خصوصیت کی بنا پہ مقرر ہوتی ہیں۔ جیسے بیرومیٹر (دباؤ پیما) تھرمامیٹر (حرارت پیما) وغیرہ کبھی نئی چیزوں کی نوعیت کی بنا پہ جیسے ٹیلیفون۔ ٹیلیگراف اور ٹیلی ویژن وغیرہ ترقی یافتہ ممالک کی زبانوں کو یہ فوقیت حاصل ہے۔ کہ نئے الفاظ یا اصطلاحات ابتدا میں انہی زبانوں کے الفاظ میں وضع ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ نئی چیزیں عموماً ترقی یافتہ ممالک ہی میں تیار ہوتی ہیں۔ چونکہ

یہ دور بین الاقوامیت کا دور ہے۔ اس لئے چین امریکہ یا روس میں تیار ہونے والی نئی چیز کی اطلاع فوراً ہی ساری دنیا میں پہنچ جاتی ہے۔ ہر نئی چیز۔ ایجاد یا اختراع کا اصطلاحی نام پہلے اس ملک کی زبان میں وضع ہوتا ہے۔ جس میں وہ چیز بنی ہو۔ ترقی پذیر یا پسماندہ ممالک کے ماہرین لسانیات و ابلاغ کو یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ کہ وہ نئی اصطلاح کو اپنی زبان کے قالب میں کس طرح ڈھالیں۔ چنانچہ کم و بیش ہر قابل ذکر زبان میں اصطلاحات وضع کرنے کے اصول اور طریقے مقرر ہیں۔ بعض زبانوں میں اتنی گنجائش ہوتی ہے کہ ہر نئی اصطلاح یا نیا مفہوم۔ ان کے قالب میں آسانی سے ڈھل جاتا ہے عرب ممالک اگرچہ سائنسی اور تکنیکی لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہیں۔ لیکن عربی زبان وسیع ترقی یافتہ اور زندہ زبان ہے اس طرح فارسی بھی قدیم اور وسیع زبان ہے۔ جس میں ہر نوع کے مطلب ادا ہو سکتے ہیں۔

## اردو زبان اور اصطلاحات

اردو زبان اگرچہ انگریزی۔ عربی فارسی روسی یا چینی وغیرہ کے مقابلہ میں نسبتاً نئی زبان ہے تاہم اس میں بعض ایسے اوصاف موجود ہیں جو بہت سی دوسری زبانوں میں نہیں ہیں۔ اردو زبان عربی۔ فارسی۔ ترکی اور ہندی اور بعض علاقائی زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے تیار ہوئی ہے۔ اس لئے اس نے مختصر عرصے میں اتنی ترقی کی ہے کہ کوئی اور زبان اسکی مثال پیش نہیں کرسکتی۔ اردو زبان میں متعدد ادب پارے ایسے ہیں۔ جن کو دنیا کی کسی بھی زبان کے ادب پاروں کے مقابلہ میں رکھا جاسکتا ہے۔ چونکہ اردو مختلف زبانوں کے الفاظ سے مل کر بنی ہے۔ اس میں نئے الفاظ اور اصطلاحات وضع کرنے کی گنجائش بہت زیادہ ہے۔ گویا۔ عربی۔ فارسی اور ہندی وغیرہ میں نئے الفاظ اور اصطلاحات وضع کرنے کے جو طریقے موجود ہیں۔ وہ تمام اردو میں یکجا ہو گئے ہیں۔ اگر فارسی زبان کے طریقے سے موزوں اصطلاح نہیں بنتی تو عربی کے طریقے سے بنائی جاسکتی ہے۔ عربی زبان کا

طریقہ کارگر ثابت نہ ہو تو ہندی زبان کے طریقے سے مدد لی جاسکتی ہے۔

کچھ لوگ جو قومی ضرورتوں اور تقاضوں یا اپنی زبان سے بے خبر ہیں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اردو میں نئی اصطلاحات وضع کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ پاکستان کے ممتاز ماہرین تعلیم سائنسدان انجینئر اور سائنسی علوم کی تدریس پر مامور اصحاب بارہا ان اعتراضات کا مدلل جواب دے چکے ہیں۔ یہ عام سوجھ بوجھ کی بات ہے کہ جو زبان کئی زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے تیار ہوئی ہے اس میں ترقی کرنے اور نئے الفاظ اپنانے یا وضع ہونے کی زیادہ استعداد موجود ہے رہا یہ اعتراض کہ مختلف زبانوں کے الفاظ سے تیار ہونے والی اصطلاحات مشکل ہوں گی۔ اور ان میں یکسانی نہیں ہوگی تو یہ بھی زبان کے قاعدوں اور اصولوں سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ اصطلاحات ہمیشہ اہل علم اور ماہرین وضع کرتے ہیں۔ زبان کوئی بھی ہو۔ اس کی اصطلاحات اور نئے الفاظ وضع کرنے کی ذمہ داری ہمیشہ لسانیات اور متعلقہ فنون کے ماہرین پر ہوتی ہے اصطلاحات کی حیثیت رائج الوقت سکہ کی سی ہوتی ہے۔ عوام الناس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ سکہ استعمال کریں۔ اور اپنی ضرورت پوری کریں۔ بعض اوقات سکہ کا ڈیزائن بدل دیا جاتا ہے یا اس میں کوئی اپج پیدا کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح اصطلاحات اور نئے الفاظ میں بھی ضرورت کے تحت تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اگر ماہرین کوئی اصطلاح وضع کریں۔ لیکن وہ مشکل اور پیچیدہ ہو تو اسے قبولِ عام کی سند نہیں مل سکے گی۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مشکل اور پیچیدہ اصطلاح کی جگہ کوئی ایسی اصطلاح لے لے گی۔ جو نسبتاً آسان ہوگی اور سکہ رائج الوقت کی طرح چالو ہونے کے قابل ہوگی۔ خود انگریزی زبان میں لاطینی کی ایسی بہت سی اصطلاحات موجود ہیں جو مشکل ہیں اور جن کو عام پڑھا لکھا آدمی نہ سکتا۔ بہرحال یہ ایک الگ اور تفصیل طلب بحث ہے۔ اردو زبان میں نئے الفاظ اور نئی اصطلاحات وضع کرنے کی استعداد اور گنجائش شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

## اصطلاح سازی کے اصول

زبان کا معاملہ ہر دور میں تھوڑا بہت اختلافی معاملہ رہتا ہے۔ ہر ماہر زبان اپنے فہم۔ علم۔ اور تجربے کی بنا پر کچھ اصول مقرر کرتا ہے۔ دوسرا ماہر اس سے اختلاف کر سکتا ہے اور زیادہ بہتر اصول وضع کر کے دے سکتا ہے۔ اگر کسی زبان کو متعلقہ ملک کی قومی زندگی میں صحیح مقام حاصل ہو چکا ہو اور اس سے زندگی کے تمام شعبوں میں وہ کام لیا جا رہا ہو۔ جو لیا جانا چاہیئے۔ تو وقت کی کسوٹی اچھے اور نامناسب اصولوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیتی ہے۔ اچھے اصول رائج ہو جاتے ہیں نامناسب اصول ختم ہو جاتے ہیں۔ زبان کے استعمال کی مثال بھی جمہوریت کے مشابہ ہے۔ بعض ملکوں میں جمہوری روایات مستحکم ہو کر مسلمہ اصولوں کا درجہ اختیار کر چکی ہیں۔ بعض میں ابھی روایات قائم ہی نہیں ہوئیں۔ وہاں اصول کتابوں میں موجود ہیں۔ لیکن وقت کی کسوٹی پر پرکھے نہیں جا سکے۔ اس طرح جن ملکوں میں ان کی قومی زبانیں رائج ہیں۔ وہاں وضع اصطلاحات کے قاعدے وقت کی کسوٹی پر پرکھے جانے کے بعد مسلمہ اصول بن چکے ہیں۔ لیکن جن ملکوں کی زبان کسمپرسی کے عالم میں ہے وہاں وضع اصطلاحات کے اصولوں کا معاملہ بھی کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ ماہرین ایک دوسرے کی آراء سے اختلاف کرتے ہیں۔ لکھنے والے ایک دوسرے کی زبان کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے کچھ لوگ رواداری وسعتِ قلب اور روشن خیالی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لیکن بعض تعصب اور تنگ نظری سے کام لیتے ہیں۔

اردو زبان میں اصطلاح سازی کے اصولوں کے بارے میں کچھ زیادہ اختلافات موجود نہیں ہیں۔ مختلف ماہرین نے جو اصول وضع کئے ہیں۔ ان میں معمولی اختلافات کی موجودگی ایک قدرتی امر ہے تاہم بہت سی باتوں میں اتفاق رائے موجود ہے۔ ہمارا کام یہ نہیں ہے۔ کہ اختلافات کی تفصیل میں جائیں۔ اور بال کی کھال اتارنے کی کوششوں

کا جائزہ لیں۔ ہماری ضرورت یہ ہے کہ ہمیں اصطلاح سازی کے موٹے موٹے اصولوں کا علم ہو تاکہ بوقت ضرورت ان اصولوں کی مدد سے اپنا کام چلا سکیں۔ یہ موٹے موٹے اصول مندرجہ ذیل ہیں:

## عمومی اصول

۱۔ وضع شدہ اصطلاح ایسی ہونی چاہیئے۔ جس پر تمام یا زیادہ ماہرین زبان اور ماہرین فن متفق ہوں۔ دونوں پہلوؤں کا خیال رکھنے سے ایسی اصطلاح وضع ہو گی جو زبان کے سانچے میں ڈھلی ہو گی اور فنی لحاظ سے بھی موزوں ہو گی

۲۔ اصطلاحات وضع کرنے کے لئے ان تمام زبانوں سے استفادہ کرنا چاہیئے جن کے امتزاج سے اردو زبان تیار ہوئی ہے۔ ان زبانوں میں یعنی فارسی۔عربی۔ہندی وغیرہ میں سے کسی بھی زبان کا ایسا مادہ لیا جا سکتا ہے۔ جو سہل مروج اور موزوں ہو اس سلسلے میں عربی زبان بڑی مدد دے سکتی ہے۔ اس زبان میں ایک مفرد مادہ سے بہت سے مفرد الفاظ نکالنے کا بہترین قاعدہ موجود ہے۔ بعض اوقات فارسی یا ہندی سے ایسے الفاظ مل سکتے ہیں۔ جو عربی الفاظ کے مقابلہ میں سہل ہوں اور آسانی سے زبان پر چڑھ سکتے ہوں اور زبان کی بناوٹ کے لحاظ سے بھی موزوں ہوں۔ ان الفاظ سے اشتقاق یا ترکیب کے ذریعے جو الفاظ بنائے جائیں وہ اردو صرف ونحو کے مطابق ہوں گو یا دوسری زبان سے الفاظ تو لے سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لغوی قاعدے نہیں۔

(۳) اصطلاح وضع کرتے وقت ترکیب میں انہی اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے جو ہماری زبان میں مستعمل ہیں۔ مثلاً ہندی الفاظ کے ساتھ عربی فارسی کا جوڑ اور عربی فارسی سابقوں خصوصاً لاحقوں کا میل ہندی الفاظ کے ساتھ مناسب نہیں مثلاً دھڑے بندی۔ اگالدان وغیرہ۔

(۴) ایسے انگریزی اصطلاحی لفظ جو عام طور پر رائج ہو گئے ہیں اور عوام کی زبان پر رواں ہو چکے ہیں یا ایسے لفظ جن کے اشتقاق مشکوک ہیں یا ایسی اصطلاحیں جو موجدوں یا تحقیق کرنے والوں کے نام پر رکھی گئی ہیں ان کو بدستور رہنے دیا جائے۔ البتہ بعض انگریزی اصطلاحیں جو پہلے زمانے میں اس وقت کی معلومات کی رو سے تجویز کی گئی تھیں اور حال کی تحقیق سے صحیح نہیں رہیں ان کی بجائے ایسے لفظ تجویز کئے جائیں جو جدید تحقیق کی رو سے صحیح مفہوم ادا کر سکیں اس میں انگریزی الفاظ کی تقلید نہ کی جائے۔

(۵) اشیاء کے جو نام عربی فارسی یا ہندوستان کی کسی زبان سے یورپ میں گئے ہیں اور انہوں نے اپنی شکل تبدیل کر لی ہے ان کو بحیثیت انگریزی کے اپنی زبان میں نہیں لینا چاہیئے بلکہ ان کو اس شکل پر لے آنا چاہیئے۔ جس پر کہ وہ اصل زبان میں تھے۔ جہاں تک ممکن ہو انگریزی زبان کی مفرد اصطلاح کے لیے اردو اصطلاح بھی مفرد ہی تجویز کرنی چاہیئے۔ لیکن اگر مفرد اصطلاح کے مقابل مفرد اصطلاح نہ مل سکے۔ تو مرکب اصطلاح بنا لینی چاہیئے دہلی کالج کے ماہرین کا خیال ہے کہ جب سائنس کے کسی لفظ کا مترادف اردو میں موجود نہ ہو جو سادہ خیال ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً سوڈیم پوٹاشیم۔ کلورین وغیرہ تو وہ بجنسہ اردو میں لے لیا جائے۔ یہی اصول القاب۔ خطابات اور عہدوں کے متعلق بھی اختیار کیا جائے۔ جن کا ذکر تاریخ میں آتا ہے۔ جب سائنس کے کسی کسی ایسے لفظ کا ہم معنی اردو لفظ موجود ہے جو سادہ خیال ظاہر کرتا ہے . . . . . . . . . . . . . .

تو اردو لفظ استعمال کیا جائے۔ مثلاً آئرن کے لئے لوہا سلفر کے لئے گندھک کے لئے وزیر Minister کے لئے طلب نامہ (آج کل سمن ہی مستعمل ہے) اگر لفظ مرکب ہے اور اس کے دونوں جز انگریزی ہیں اور دونوں میں سے کسی کا ہم معنی لفظ اردو میں نہیں تو وہ لفظ بجنسہ اردو میں منتقل کر لیا جائے۔ مثلاً ہائی ڈرو کلورین کیونکہ ہائیڈروجن اور کلورین کے ہم معنی لفظ اردو میں۔ اس کے برعکس اگر لفظ مرکب ہے

اور اردو میں اس کا کوئی ہم معنی لفظ نہیں۔ مگر اس کے اجزا کے الگ الگ مترادف اردو میں موجود ہیں۔ تو یا تو ان دونوں کو ملا کر یا کسی مساوی مفہوم کے الفاظ میں ترجمہ کر لیا جائے جیسے کرانولوجی Chronology کا ترجمہ علم زماں House of Commons کا دیوانِ عام اور House of Lords کا دیوانِ خاص وغیرہ

۶- ایک تجویز یہ بھی ہے کہ انگریزی زبان کی اصطلاحات کو بجنسہ اپنی زبان میں نہیں اختیار کرنا چاہیئے۔ جس قدر اصطلاحات ہمیں اردو۔ فارسی عربی زبانوں کی قدیم کتابوں میں مل سکتی ہیں تلاش کرنی چاہیئیں اور جن اصطلاحات کے لفظ نہ ملیں۔ ان کو خود بنانا چاہیئے۔ اور اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ انگریزی یا جیس یورپی زبان کا لفظ ہو اس کے اجزا کی تحلیل کر لی جائے۔ پھر اس کے لاطینی یا یونانی مادے کے لحاظ سے اس کا ترجمہ کر لیا جائے جیسے Phons آواز Graph نگار۔ فونوگراف کے لئے آواز نگار۔ اس طرح ٹیلی فون کے لئے دور گو آٹو موبیل کے لئے خود رواں۔ لاوڈ سپیکر کے لئے بلند گو وغیرہ۔

۷- حتی الامکان مختصر لفظ وضع کئے جائیں۔ جو اصل مفہوم یا اس کے قریبی معنوں کو ادا کر سکیں۔ اور جو لفظ بنے وہ خوبصورت ہو اور نہ زبان پر آسانی سے رواں ہو سکے۔

۸- جو اصطلاح وضع کی جائے اس کا لغوی مفہوم عام ہو۔ اور لوگ اسے سمجھتے ہوں۔ اسی لفظ کو ملتے جلتے مخصوص معنوں میں بطور اصطلاح استعمال کیا جائے۔ مثلاً عام لفظ ہے۔ اس کا مفہوم سب کو معلوم ہے۔ اسے مہنگی کا مفہوم دے کر اقتصادیات کی اصطلاح وضع کر لی گئی ہے

۹- اصطلاح سازی میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ اصطلاح کے نئے مفہوم کو ذہن قبول کرنے کے لئے تیار ہو۔ تاکہ وہ اصطلاح فوراً زبان کا جز بھی بن سکے اور اس استعمال کرنے میں بھی آسانی ہو۔

(۱۰) کسی غیر زبان کی اصطلاح کو اردو کے قالب میں ڈھالتے وقت یہ بات پیش نظر رہے کہ اصطلاح قریب الفہم ہو اور اپنے موضوع اور نفس کلام کی طرف اشارہ کرے۔ جیسا کہ یونیورسٹی کا ترجمہ جامعہ کیا گیا ہے۔ لیکن لفظ جامعہ مکمل طور پر یونیورسٹی کا مفہوم ادا نہیں کر پاتا۔ اس کے برعکس اگر یونیورسٹی کی اصطلاح دانشگاہ وضع کر جائے تو یہ لفظ جامعہ کی نسبت نہ صرف آسان ہے بلکہ یونیورسٹی کے مفہوم کو پوری طرح واضح کرتا ہے مزید برآں عام پڑھے لکھے لوگوں کے علمی معیار اور ذہنی سطح سے نزدیک تر ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ حتی الامکان مشکل اور دقیق اصطلاح وضع کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ مثلاً تھرمامیٹر کے لئے آلہ مقیاس الحرارت کا انتخاب کیا گیا ہے جو ثقیل ہونے کے سبب آسان ادائیگی کے لئے موزوں نہیں ہے۔ بلکہ حرارت پیما بہتر اور موزوں ہے اس طرح طبیعات کی ایک اصطلاح Dimensions کا ترجمہ ابعاد کیا گیا ہے جو نامانوس ہونے کی وجہ سے اپنے مفہوم کی مکمل وضاحت نہیں کر سکے گا۔ اس کی بجائے اطراف کا استعمال لسانی اعتبار سے اپنے مفہوم سے قریب تر ہے۔

(۱۲) اردو زبان کا وسیع ذخیرہ الفاظ عربی اور فارسی زبان پر تکیہ کرتا ہے۔ اس لئے وضع اصطلاحات کے لئے انہی دو زبانوں کے آسان الفاظ کی طرف خاص طور پر رجوع کرنا چاہیئے نہ کہ یہ ہر دو زبانیں اس قدر وسعت رکھتی ہیں کہ کسی زبان کی اصطلاح کو نئے الفاظ کا جامہ پہنا سکیں۔ جیسا کہ لاؤڈ سپیکر اگرچہ عام طور پر مستعمل ہے۔ لیکن اہل ایران نے اس کے لئے ایک انتہائی موزوں لفظ بلند گو۔ وضع کیا ہے۔ عربی اور فارسی کے علاوہ مقامی علاقائی زبانیں بھی معاون ثابت ہو سکتی ہیں

۱۳۔ کسی مرحلے پر اگر اصطلاح وضع کرتے ہیں کوئی دشواری پیش آجائے تو اس اصطلاح کو بجنسہٖ استعمال کر لینا چاہیئے۔

۱۴۔ اصطلاح وضع کرتے ہوئے الفاظ کی صوتی کشش اور رچاؤ کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیئے مثلاً ووڈن برج Wooden bridge کے لئے اگر ہم لکڑ پل وضع کریں گے تو ہندی اور فارسی کا یہ امتزاج حسنِ صوت کے اعتبار سے درست نہ ہوگا۔ اس کے برعکس چوبی پل حسنِ صوت اور گرامر کی رو سے صحیح ہوگا۔ یوں بھی لفظ چوب زبان زد عام ہونے کی خاصیت رکھتا ہے اور سوداگران چوب اور سقفِ چوبی کیلئے مستعمل ہے۔

# سابقے اور لاحقے

Prefix —— Suffix

سابقے Prefix یہ وہ حروف ہیں۔ جن کو کسی اسم یا صفت کے ساتھ شروع میں ملانے سے مرکب الفاظ بن جاتے ہیں۔ دنیا کی بہت سی زبانوں میں سابقے اور لاحقے استعمال کر کے خوبصورت مرکب الفاظ بنانے کا طریقہ رائج ہے۔ اردو زبان چونکہ مختلف زبانوں کے الفاظ سے مل کر بنی ہے اس لئے اس میں سابقوں اور لاحقوں کے استعمال کی گنجائش بھی زیادہ ہے سابقے اسم یا صفت کے شروع میں آتے ہیں اور لاحقے بعد میں۔

| سابقہ | مرکب الفاظ |
| --- | --- |
| ا | امٹ ۔ اچھوت ۔ اٹل ۔ اچھوتا |
| ان | انجان ۔ ان پڑھ ۔ ان گنت ۔ انمول۔ انمٹ انمل |
| اک | اکلوتا ۔ اکتارہ |
| با | باوفا ۔ باحیا ۔ باصفا ۔ باکمال ۔ بارعایت |
| بن | بن بیاہا ۔ بن دیکھا ۔ بن سُنا |
| بے | بے ڈھب ۔ بے چین ۔ بے سر ۔ بے دین ۔ بے نظیر ۔ بے علم ۔ بے ایمان ۔ بے مروت ۔ بے مثال |
| پا | پاجامہ ۔ پابند ۔ پابوس |

| | |
|---|---|
| پُر | پُرزور - پُرنور - پُردرد - پُرجوش - پُرمغز - پُربہار |
| پر | پردیس - پرسال - پرنال - پرلوگ |
| تر | ترنگا - ترپھلا |
| تہہ | تہہ دل - تہہ خانہ - تہہ بند |
| چو | چوراہا - چوبارہ - چوپایہ - چوکور - چومکھی - |
| خر | خرگوش - خرگاہ - خرکار |
| خوش | خوش رو - خوش الحان - خوش شکل - خوشخط |
| در | درپردہ - درکار - درپے |
| ذو | ذوالجلال - ذومعنی - ذوالنورین |
| ذی | ذی جاہ - ذی وقار - ذی عزت - ذی شان |
| شہ | شہسوار - شہبانہ - شہ زور - شہتیر |
| ک | کپوت - کڈھب - کراہ |
| مہا | مہاتما - مہاراج - مہابیر |
| ن | نڈر - نکما - نہتا - ندیدہ - نالائق - نادان |
| | نارسا - نادیدہ - ناسمجھ - ناتوان - نادار |
| | نابکار - ناہنجار - |
| نر | نراسا - نرمل - نرگن - نردھن - نردوش |
| ہر | ہرکارہ |
| ہم | ہمدرد - ہم نوالہ - ہم پیالہ - ہم جماعت - ہم عصر |
| | ہم پیشہ |
| غیر | غیر حاضر - غیر مفید |

| | |
|---|---|
| خلاف | خلاف عقل - خلافِ مصلحت - خلافِ قاعدہ خلاف شرع |
| پنج | پنج گانہ - پنج روزہ - پنجتن - پنج شنبہ |
| پیش | پیشانی - پیشرو پیش خیمہ - پیش کش |
| زیر | زیر بار - زیردست - زیرِ لب |
| زُود | زود رنج - زُود فہم - زود نویس |
| سر | سر خوش - سربلند - سرتاج - سرکش |
| شش | شش جہات - شش ماہی |
| صاحب | صاحب خانہ - صاحب دل - صاحب علم - صاحب کمال |
| صدر | صدر مدرس - صدر معلم |
| لا | لا ابالی - لازوال - لاوارث - لامکان - |
| نیم | نیم حکیم - نیم روز - نیم باز |
| نو | نو آبادی - نو بہار - نو عمر - نو گرفتار |
| ہمہ | ہمہ دان - ہمہ گیر |
| یک | یک رنگ - یک دل - یک جہتی |
| کم | کم زور - کم عقل - کم یاب - کم اصل - کم حوصلہ کم ظرف |
| زشت | زشت رو - زشت خو |
| بد | بد فطرت - بد سرشت بد باطن - بد بکارہ - بد شکل - بد چلن - |

# لاحقے

| | |
|---|---|
| طلب | مرمت طلب ۔ شہرت طلب ۔ خیر طلب |
| شناس | مردم شناس ۔ رمز شناس ۔ ادا شناس<br>قدر شناس ۔ سخن شناس |
| بخش | خطا بخش ۔ صحت بخش ۔ گنج بخش |
| پرست | مادہ پرست ۔ دنیا پرست ۔ شکم پرست ۔<br>بت پرست ۔ خدا پرست ۔ وطن پرست ۔<br>عیش پرست ۔ زر پرست ۔ زن پرست ۔<br>حسن پرست ۔ |
| فروش | گل فروش ۔ سبزی فروش ۔ ضمیر فروش<br>وطن فروش ۔ |
| گیر | جہانگیر ۔ دست گیر ۔ دلگیر ۔ گلو گیر ۔<br>دامن گیر |
| خوار | خونخوار ۔ میخوار ۔ بسیار خوار ۔ سبزی<br>خوار ۔ گوشت خوار |
| گو | راست گو ۔ دروغ گو ۔ کم گو ۔ حق گو |
| جو | عیب جو ۔ جنگجو ۔ نام جو ۔ شہرت جو |
| نشیں | دلنشیں ۔ ذہن نشین ۔ عزلت نشین ۔ خلوت<br>نشین |
| چیں | نکتہ چیں ۔ سخن چیں ۔ خوشہ چیں ۔ عیب چیں |

| | |
|---|---|
| ریز | خونریز ۔ برگ ریز ۔ گوہر ریز |
| افشاں | زر افشاں، گلفشاں ۔ نور فشاں ۔ اشک فشاں |
| سوز | جگر سوز ۔ دلسوز ۔ زبان سوز ۔ جہاں سوز |
| کن | گورکن ۔ کان کن ۔ بیخ کن |
| زدہ | غم زدہ ۔ مصیبت زدہ ۔ سیلاب زدہ آفت زدہ |
| آلودہ | خون آلودہ ۔ گرد آلودہ ۔ شکر آلودہ |
| زن | لاف زن ۔ نشتر زن ۔ نیش زن |
| آزار | مردم آزار ۔ دل آزار ۔ خلق آزار |
| افروز | جہاں افروز ۔ عالم افروز ۔ بزم افروز |
| افراز (فراز) | سرفراز ۔ گردن افراز |
| آموز | سبق آموز ۔ عبرت آموز ۔ جنگ آموز نو آموز |
| انگیز | فتنہ انگیز ۔ بغاوت انگیز ۔ آتش انگیز ۔ نفرت انگیز |
| پرور | غریب پرور ۔ کنبہ پرور ۔ بندہ پرور ناز پرور |
| نواز | بندہ نواز ۔ دلنواز ۔ غریب نواز جاں نواز |

| | |
|---|---|
| نما | خوشنما - بدنما - خودنما |
| رو | تیز رو - سبک رو - گرم رو - آہستہ رو |
| فام | سفید فام - سیاہ فام - گلفام |
| فریب | دلفریب - نظر فریب |
| شکن | بت شکن - زہد شکن - حوصلہ شکن - ہمت شکن - |
| طلب | مرمت طلب - شہرت طلب - خیر طلب - |
| آور | زور آور - دلاور - قد آور - زبان آور نام آور |
| بان | باغبان - گاڑی بان - نیل بان - شتربان دربان - جہانبان |
| بردار | فرمانبردار - علم بردار - عصابردار - نازبردار |
| بند | دلبند - پابند - نظربند - |
| پوش | میز پوش - پاپوش - پلنگ پوش - سرپوش - ستر پوش |
| چی | خزانچی - طبلچی - توپچی |
| خیز | زرخیز - نوخیز - صبح خیز - مردم خیز |
| دان | قدردان - سائنسدان - ریاضی دان - جغرافیہ دان - |
| دار | جاندار - وفادار - مالدار - زردار - سردار |

| | |
|---|---|
| | جہاندار |
| دانی | عطر دانی۔ سرمہ دانی۔ نمک دانی |
| ربا | دلربا۔ ہوش ربا۔ اندوہ ربا۔ غم ربا |
| کدہ | عشرت کدہ۔ ماتم کدہ۔ غمکدہ۔ آتشکدہ دولت کدہ۔ مے کدہ |
| گار | خدمت گار۔ طلبگار۔ پرہیزگار۔ پروردگار |
| گر | زرگر۔ کاریگر۔ بازی گر۔ سوداگر۔ ستم گر۔ |
| گزار | عبادت گزار۔ شکرگزار۔ سپاس گزار۔ باجگزار۔ |
| گسار | غم گسار۔ مے خوار۔ جانگسار |
| گداز | زہرہ گداز۔ دل گداز |
| گوں | نیلگوں۔ گلگوں۔ مے گوں |
| گیں | غمگین۔ خشمگیں۔ اندوہگیں۔ |
| گی | شرمندگی۔ دیوانگی۔ بندگی |
| مند | آرزومند۔ ہوشمند۔ خردمند۔ فتحمند۔ |
| مار | چڑی مار۔ گولی مار |
| ناک | غمناک۔ خوفناک۔ اندوہناک۔ وحشتناک |
| ور | تاجور۔ ہنرور۔ سخن ور۔ دانشور |
| یار | شہریار۔ ہوشیار۔ |

یں ۔ رنگیں ۔ آتشیں ۔ مشکیں

ساز ۔ حیلہ ساز ۔ دمساز ۔ زمانہ ساز ۔
کارساز

خواہ ۔ خیرخواہ ۔ خاطرخواہ ۔ دلخواہ

# اسم معرفہ کی اہم اقسام

**خطاب**:- یہ اسم خاص کی ایک قسم ہے۔ وہ نام جو حکومت کی طرف سے اعزازی طور پر ملتا ہے جیسے سر۔

**لقب**:- یہ بھی اسم خاص کی ایک قسم ہے یہ وہ وصفی نام ہے جو کسی خصوصیت یا وصف کی وجہ سے پڑ گیا ہو جیسے ابراہیمؑ خلیل اللہ۔ موسیٰؑ کلیم اللہ۔ حکیم الامت علامہ اقبال۔

**عرف**:- یہ بھی اسم خاص کی قسم ہے یہ وہ نام ہے جو محبت یا حقارت کی وجہ سے پڑ جائے اصل نام کا اختصار زبان زد ہو جائے۔ جیسے شہاب الدین سے شہابو۔ لبشریٰ سے بُشی۔ کرم دین سے کرمو وغیرہ۔

**تخلّص**: اسم خاص کی ایک قسم ہے وہ مختصر نام تخلص کہلاتا ہے۔ جو شاعر اپنے کلام میں اصل نام کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً مرزا اسد اللہ خان غالبؔ۔ الطاف حسین حالیؔ۔

**کنیت**:- وہ نام جو خاندان والد یا والدہ کی نسبت سے مشہور ہوتا ہے جیسے ابن علیؓ۔ ابن مریم۔

**اسم تصغیر**:- اس کے معنی چھوٹا کرنے کے ہیں۔ بعض اسماء میں حروف کے ردو بدل یا حک و اضافہ سے اسم تصغیر بنا لیا جاتا ہے۔ جیسے باغ سے باغیچہ کتاب سے کتابچہ بھائی سے بھیا۔ مکھ سے مکھڑا۔

**اسم تکبیر**: یہ تصغیر کی ضد ہے۔ جس کے معنی ہیں بڑا کرنا۔ چنانچہ اسماء میں رد و بدل یا حک و اضافہ سے اسم تکبیر بنایا جاتا ہے۔ جیسے بات سے بتنگڑ۔ پگڑی سے پگڑ۔ راہ سے شاہراہ وغیرہ۔

**حروف ربط**:- وہ حروف جو ایک لفظ کا تعلق کسی دوسرے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں۔

مثلاً۔ کا۔ کے۔ کی نے۔ کو۔ سے۔ میں تئیں۔ پہ۔ تک

**حروفِ عطف:۔** وہ حروف جو دو یا دو سے زیادہ جملوں یا لفظوں کو ملانے کا کام دیتے ہیں۔ جیسے اخبار چھپا اور تقسیم ہوا۔ احمد۔ حمید۔ مجید اور رفیق با اصول انسان ہیں حروف عطف مندرجہ ذیل ہیں۔

اور۔ و۔ کیا۔ کہ۔ یہ۔ نہ نہ۔ خواہ۔ چاہے۔ یا۔ پر۔ لیکن۔ بلکہ۔ مگر۔ الّا۔ جو اگر۔ سو۔ پس۔ اس لئے۔ لہٰذا۔ بنا بریں۔ کیونکہ۔ تا۔ تاکہ۔ مبادا

**حروفِ تخصیص:۔** وہ حروف جو کسی اسم یا فعل کے ساتھ آکر خصوصیت کے معنے پیدا کرتے ہیں۔ حروف تخصیص یہ ہیں۔ ہی۔ تو۔ بھی ہر وغیرہ ان میں سے حرف ہی۔ بعض اسماء ضمائر اور حروف کے ساتھ مل کر مرکب لفظ کا جزو بن جاتا ہے جیسے کبھی۔ جبھی۔ ابھی۔ تبھی۔ سبھی۔ کہیں۔ وہیں۔ یہیں۔ وہی۔ یہی۔ تجھی وغیرہ۔

**حروف فجائیہ:۔** وہ الفاظ جو جذبہ۔ جوش۔ غصہ۔ افسردگی یا خوشی کی کیفیت کے وقت بے ساختہ زبان سے نکل جاتے ہیں۔ جیسے واہ وا۔ ماشاء اللہ۔ سبحان اللہ استغفر اللہ۔ حروف فجائیہ کی مختلف صورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ حرفِ ندا:۔ اے۔ یا۔ حضرات! یا اللہ۔ بھائیو۔ یا خدا۔ یا رسول اللہ۔ ارے۔ اے! اجی!

(ب) خوشی کے اظہار کے لئے اہا۔ اوہو ہو۔ واہ واہ۔ سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ۔

(ج) رنج و ناسف کے لئے ہائے۔ وائے۔ آہ۔ اوہ۔ اے۔ وائے۔ افسوس۔ حیف۔ ہیہات

(د) تعجب کے لئے اللہ اللہ۔ سبحان اللہ۔ اللہ اکبر۔ صلے علیٰ۔ اُف۔ ما قر۔ اہا۔

(ہ) نفرت کے لئے:۔ دہ۔ دور۔ دور۔ تف۔ استغفر اللہ۔ معاذ اللہ۔ ہشت۔ چھی۔ لاحول و لا قوۃ الا باللہ

(و) تحسین و آفرین کے لئے سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ۔ بارک اللہ۔ شاباش بہت خوب۔ جزاک اللہ

واہ - واہ - اللہ اللہ - چشم بدور -

پناہ مانگنے کے لئے - الامان - الحفیظ - توبہ - الٰہی توبہ - معاذ اللہ - عیاذاً باللہ -

تنبیہ کے لئے - ہوں! ہوں ہوں - خبردار - ہیں ہیں - دیکھو - سنو -

حروفِ ایجاب - وہ حروف جو جواب کے موقع پر بولے جاتے ہیں - مثلاً جی - جی ہاں - اچھا بہت اچھا - ٹھیک - درست - کیوں نہیں - بجا -

حروفِ تشبیہ - وہ حروف جو مشابہت ظاہر کرتے ہیں - مثلاً گویا - جیسا - مانند - طرح - ہو بہو - مثل -

**حروفِ شمسی و قمری :-** عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ اسماء کی خصوصیت یا امتیاز ظاہر کرنے کے لئے ان کے ساتھ ال لگا دیتے ہیں جو اصطلاح میں ال تعریف کہلاتا ہے بعض حروف کے شروع میں ال استعمال تو ہوتا ہے - لیکن بولا نہیں جاتا - اسے تلفظ میں ظاہر نہیں ہوتا - جیسے الشمس ضیاء الدین - محی الدین - ایسے حروف کو حروف شمسی کہا جاتا ہے - جن حروف کے شروع میں آل آئے اور بولا بھی جائے وہ حروف قمری کہلاتے ہیں - جیسے القمر - الحمد - العبد -

حروفِ شمسی ، مندرجہ ذیل حروف شمسی حروف ہیں -

| | |
|---|---|
| ت - | التحیات - التوحید |
| ث - | تحت الثریٰ - شہاب الثاقب |
| د - | ضیاء الدین - نظام الدین |
| ذ - | اوّل الذکر - موخر الذکر |
| ر - | خلافت الراشدہ - ہارون الرشید |
| ز - | سلطان الزماں |
| س - | ملک السلاطین - دار السلطنت |
| ش | اظہر من الشمس - سہو الشانی |
| ص | عمل الصالح - الصالحین |

ض۔ الضالین دارالضرب

ط۔ جبل الطارق

ظ۔ الظاہر

ن۔ نصف النہار۔ ذوالنورین

حروفِ قمری:۔

ا۔ الارض۔ الامان

ب۔ فصیح البیان

ج۔ عبدالجبار

ح۔ عبدالحکیم

خ۔ مراۃ الخیال

ع۔ نورالعین

غ۔ اسداللہ الغالب

ف۔ سریع الفہم

ق۔ صادق القول۔ القمر

ک۔ بالکل۔ الکتاب

ل۔ اللیل والنہار

م۔ بیت المال

و۔ کتاب الوعظ

ہ۔ لہوالہوس

ی۔ الیوم۔ الیوم العید

تلمیح:۔ کسی تفصیل طلب واقعہ کو اشارتی انداز میں مختصر طور پر بیان کرنا تلمیح کہلاتا ہے

ہر زبان اور ادب میں تلمیحات استعمال ہوتی ہیں تلمیحات کا تعلق ماضی کے حقیقی۔ افسانوی۔ تاریخی۔ مذہبی یا روایتی واقعات اور کرداروں سے ہوتا ہے۔ اردو زبان، ادب میں مندرجہ ذیل تلمیحات بکثرت استعمال ہوتی ہیں اور ہوئی ہیں۔

سنت ابراہیمی۔ سنت خلیل۔ صدق خلیل۔

؎ صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق،

؎ براہیمی نظر پیدا بڑی مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں۔

صبر ایوب ؎ صبر ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا
ہم نے کیا کیا نہ ترے واسطے محبوب کیا

؎ کہاں سے لاؤں صبر حضرت ایوب اے ساقی
صراحی آئے گی جام آئے گا پھر سے آئے گی،

آتش نمرود ؎ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

بت شکنی ؎ قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی

تیشۂ فرہاد ؎ زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
کوہ کن۔ کوہ کنی ؎ جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی

پرویزی یا حیلہ پرویزی ؎ زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو تو کیا ہو
طریق کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

عمر خضر۔ خضر ؎ خضر نے کیا کیا سکندر سے

اب کسے راہنما کرے کوئی

دمِ عیسیٰ ؂ ابن مریم ہوا کرے کوئی

میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

حسنِ یوسف یدِ بیضا دمِ عیسیٰ داری۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یدِ بیضا :- نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو

یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں ؎

عصائے کلیمی۔کلیمی :- رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد ،

اسمعیلی اطاعت۔آدابِ فرزندی :- وہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

سکھائے کس نے اسمٰعیلؑ کو آدابِ فرزندی

شبیری ؂ حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری

بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

محمود و ایاز ؂ ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

میر جعفر۔میر صادق ؂ جعفر از بنگال و صادق از دکن

ننگِ قوم و ننگِ دیں ننگِ وطن۔

چند اور مشہور تلمیحات یہ ہیں

(۱) کشتیاں جلانا

ظلِ ہما

شق القمر

حسنِ یوسف

چنگیزیت
مجنوں۔ لیلےٰ
سکھاشاہی
ہیر۔ رانجھا وغیرہ
چمڑے کے دام۔ دیوارِ یتیم۔

---

# محاورات

ہر زبان میں محاورات استعمال ہوتے ہیں۔ محاورے اظہار و بیان کو تاثیر اور خوبصورتی بخشتے ہیں۔ جو الفاظ لغوی معنیٰ کے بجائے غیر لغوی یعنی اصطلاحی معنیٰ میں استعمال ہوں۔ محاورہ کہلاتے ہیں۔ مثلاً" کلیجہ منہ کو آنا۔ دل ڈوبنا۔ انگاروں پر لوٹنا وغیرہ۔ یہ تینوں مثالیں جذبات اور احساسات کی خاص کیفیتوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ کلیجہ منہ کو آنا کے معنی یہ نہیں کہ واقعی کلیجہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے منہ میں آرہا ہے۔ اس کا معنی شدت غم ہے۔ علےٰ ہذا القیاس

ذیل میں کچھ محاورات اور ان کے معانی درج کیے جارہے ہیں

| | | | |
|---|---|---|---|
| آتش کا پرکالہ | بیحد چالاک | ٹیڑھی کھیر | مشکل کام |
| آستین کا سانپ | دوستی کے پردے میں دشمن | جان جوکھوں میں ڈالنا | خطرہ مول لینا |
| آگ پانی کا بیر | فطری طور پر انمل | | |
| آنتوں کا قل ہو اللہ پڑھنا | سخت بھوک لگنا | چار چاند لگنا | بہت خوب صورت بن جانا |
| | | چکنی چپڑی باتیں کرنا | خوشامد اور لگاوٹ |
| آنکھوں کا کاجل چرانا | انتہائی عیاری دکھانا | چودھویں کا چاند | بہت خوب صورت |
| اندھے کو بٹیر ملنا | غیر متوقع عجیب بات کرنا | خاک اڑنا | ویران ہونا |
| بات پیدا کرنا | نکتہ پیدا کرنا | دانتوں کٹی روٹی کھانا | بہت گہری دوستی ہونا |
| بات نہ پوچھنا | خبر نہ لینا۔ نظر انداز کرنا | دل میلا کرنا | ناراضگی۔ رنجش پیدا کرنا |
| باتوں میں آنا | بہکاوے میں آجانا | دنوں کا پھیر | قسمت کا چکر |
| بے نقط سنانا | گالیاں دینا | دن کو تارے نظر آنا | حیران۔ ششدر رہ جانا |
| پاپڑ بیلنا | سخت محنت کرنا | منہ سے دودھ کی بو آنا | کم سنی۔ ناتجربہ کاری |

| | | | |
|---|---|---|---|
| پھبتی اڑانا | مذاق اڑانا | دھوپ میں بال سفید کرنا | ناتجربہ کار ہونا |
| پیٹ میں چوہے دوڑنا | بھوک لگنا | رسی دراز ہونا | ڈھیل مل جانا |
| رنگ لانا | نتیجہ ظاہر ہونا | پاؤں پھسلنا | غلطی ہوجانا |
| زندہ درگور ہونا | جیتے جی مرجانا | پاؤں دھو کر پینا | انتہائی عزت کرنا |
| سبز قدم | منحوس | پاؤں پھونک پھونک کر رکھنا | احتیاط برتنا |
| شہر خاموشاں | (خاموشاں) قبرستان | | |
| شیر مادر سمجھنا | جائز سمجھنا | پاؤں پھیلا کر سونا | بے فکر ہو کر سونا |
| شیطان کے کان کاٹنا | بہت چالاک ہونا | پاؤں تلے سے زمین نکل جانا | بہت حیران رہ جانا |
| طوطا چشم | بے وفا | | |
| علت لگا لینا | برائی کا عادی ہونا | پاؤں رکاب میں رہنا | تیار رہنا |
| غم غلط کرنا | دل بہلانا غم بھولنے کی کوشش کرنا | پاؤں زمین پر نہ ٹکنا | خوشی سے پھولے نہ سمانا |
| | | پاؤں گور میں لٹکانا | بڑھاپا طاری ہونا |
| قصہ تمام کرنا | ختم کرنا۔ ماردینا | ماتھا ٹھنکنا | خدشے کا احساس پہلے سے ہوجانا |
| کاٹھ کا الو | بیوقوف | | |
| کام تمام کرنا | مارڈالنا | گلے کا ہار ہونا | مرضی کے خلاف چمٹے رہنا |
| کان کھانا | بہت باتیں کرنا | | |
| کمر کسنا | تیار ہونا۔ عہد کرنا | کھچڑی پکنا | سازش تیار ہونا |
| گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا | ایک حالت پر قائم نہ رہنا | کمر کسنا۔ کمر بستہ ہونا | تیار ہونا ر |
| | | کمر باندھنا | تیاری کرنا |
| گرد کو نہ پہنچنا | مقابلہ کر سکنا ساتھ نہ دے سکنا | کان کا کچا | بلا تصدیق یقین کرنے والا |

| | |
|---|---|
| گودڑی کا لعل | بے قدری کی کیفیت |
| لاحول بھیجنا | لعنت بھیجنا |
| لہو کے گھونٹ پینا | اپنے آپ پر صبر کرنا |
| پاؤں بھاری ہونا | حاملہ ہونا |
| پاؤں بہکنا | آوارگی کی طرف مائل ہونا |
| زبان دراز | ہر کسی کو بے نقط سنانا |
| بات پلے باندھنا | بات دل سے ماننا۔نصیحت سننا |
| بات لگانا | طنز کرنا |
| بات ٹوٹنا | مذاکرات ناکام رہنا |
| بات بڑھانا | جھگڑے کو طول دینا |
| باتوں میں آنا | دھوکا میں رہنا |
| بات رہنا۔ بات رکھنا | عزت رہ جانا۔عہد کا پاس کرنا |
| بات کا پورا | مضبوط ارادے والا ہونا |
| باچھیں کھلنا | خوش ہونا |
| چراغ پا ہونا | سخت غصہ میں آنا |
| سیخ پا ہونا | بہت غصہ میں آنا۔ |
| بادل چھٹنا | مصیبت کا وقت ٹل جانا |
| بادل ٹوٹنا | بہت زیادہ بارش ہونا |

| | |
|---|---|
| شیر مادر سمجھنا | ناجائز کو جائز سمجھ کر کھا جانا |
| آبرو میں بٹہ لگانا | عزت کو خاک میں ملانا |
| آٹھ آٹھ آنسو رونا | بہت زیادہ گریہ زاری کرنا |
| آفت کی پڑیا | فتنہ |
| باگ روکنا | ٹھہرنا۔قابو میں آنا |
| باگ ہاتھ سے چھوٹنا | بات ہاتھ سے نکل جانا |
| بال بال گنہگار ہونا | بہت زیادہ گناہوں کا مرتکب ہونا |
| بال باندھا غلام | غلام بے دام |
| آگ بگولا ہونا | سخت غصہ میں آنا |
| بلا پیچھے لگا لینا | مصیبت۔زحمت کو دعوت دینا |
| بلائیں لینا | صدقے جانا |
| بلا اپنے گلے باندھنا | بلا وجہ مصیبت کو دعوت دینا |
| بھرم رہ جانا | عزت رہ جانا |
| چکنا گھڑا | بے شرم ۔ بے اصول |
| منہ میں پانی بھر آنا | جی للچانا |

| | |
|---|---|
| بادل کا رنگ پہچانا | قرائن سے سمجھ جانا |
| بازار چڑھنا | قیمتیں زیادہ ہونا |
| بازار چمکنا | خرید و فروخت زیادہ ہونا |
| بازار مندا پڑنا | مندا ہونا |
| بازار میں آگ لگنا | بہت زیادہ مہنگائی ہونا |
| سبز باغ دکھانا | دھوکا دینا |
| باگ ڈال دینا | قابو میں کر لینا |
| باگ ڈھیلی کرنا | ڈھیل دینا |
| باگ سنبھالنا | انتظام سنبھالنا |
| آنکھ لڑنا | عشق ہونا |
| آنکھ دکھانا | غصہ دکھانا |
| آنکھ سے دور ہونا | دور چلے جانا |
| آنکھوں کا پانی بہہ جانا | بے شرم بے حیا ہونا |
| آنکھ کا تارا | بہت پیارا اور لاڈلا ہونا |
| آنکھ کا لحاظ | عزت، احترام کرنا |
| آنکھ کھلنا | بیدار ہونا۔ ہوش میں آنا |
| آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جانا | حیران رہ جانا |
| آنکھ لگنا | سو جانا |
| آنکھ مارنا | اشارہ کرنا |
| آنکھ موندنا | سونا۔ مر جانا |
| پانی بھرنا | فرمانبردار ہونا |
| پانی سر سے اونچا ہونا | موقع ہاتھ سے نکل جانا |
| آنکھ آنا | آنکھ دکھنا |
| آنکھ بند کرنا | مر جانا |
| آنکھ پھیرنا | طوطا چشمی کرنا |
| آنکھوں سے خون برسنا | سخت اشتعال میں آنا |
| آنکھوں سے لگانا | عزت کرنا |
| آنکھوں کا جادو | آنکھوں کی خوبصورتی کا اثر |
| آنکھوں میں ٹھنڈک پڑنا | سکون حاصل ہونا |
| آنکھیں بچھانا | احترام کرنا |
| آنکھیں بدلنا | بدل جانا |
| آنکھیں دو چار ہونا | ملاقات ہونا۔ آمنا سامنا ہونا |
| آنکھیں سینکنا | دیدار کرنا |
| طبیعت بگڑنا | طبیعت خراب ہونا |
| طبیعت حاضر ہونا | ذہنی و دلی آمادگی |

| | | | |
|---|---|---|---|
| آنکھ میں جگہ کرنا | دل میں جگہ حاصل کرنا | طبیعت مچلنا | جی للچانا |
| آنکھ میں ڈر نہ ہونا | بے خوف ہو جانا | قسمت بگڑنا | حالات خراب ہو جانا |
| آنکھوں پر بٹھانا | عزت کرنا | قسمت بدلنا | دن پھر جانا |
| آنکھوں میں سجانا | محبت سے پیش آنا | قسمت کا ہیٹا | بدقسمت |
| آنکھوں سے اترنا | وقار کھو بیٹھنا | قسمت والا | خوش قسمت |
| آنکھوں میں کھبنا | بہت پیارا لگنا | کمر سیدھی کرنا | آرام کرنا |
| آنکھ والا | دانا | کولھو کا بیل | ایک ہی کام میں جُتے رہنا |
| آنکھوں تلے اندھیرا چھا جانا | سخت حیران رہ جانا گھبرا جانا | تارے گننا | انتظار کرنا |
| آنکھوں پر چربی چڑھنا | بے مروت بن جانا | تانبا سا آسمان ہو جانا | سخت گرمی پڑنا |
| تلووں تلے ہاتھ دھرنا | بے حد احترام کرنا | تقدیر پھر جانا | دن بدل جانا |
| تلوار اٹھنا | لڑائی ہونا | تقدیر کا سکندر | خوش قسمت |
| تلوار کا دھنی | بہادر، لڑاکا | ہاتھ پاؤں مارنا | کوشش کرنا |
| تلواروں کا مینہ برسنا | زور کی جنگ ہونا | ہاتھ پر سرسوں جمانا | عجیب چیز کر دکھانا |
| تلوار کے گھاٹ اترنا | قتل ہو جانا | ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا | بیکار بیٹھے رہنا |
| تلوار میان میں ڈالنا | صلح کرنا۔ جنگ بند کرنا | ہاتھ پیلے کرنا | شادی کرنا |
| ہاتھ بھر کا دل ہونا | بہادر۔ حوصلہ مند ہونا | ہاتھ دکھانا | چالاکی دکھانا |
| ہاتھ بھر کی زبان | بہت باتیں کرنا | ہاتھ دھو بیٹھنا | محروم ہو جانا |
| ہاتھ پاؤں رہ جانا | کام کرنے کی سکت نہ رہنا | ہاتھ رنگنا | دولت کمانا |
| | | ہاتھ کھلا ہونا | آسائش میسر ہونا۔ |

| | |
|---|---|
| ہاتھ پائی ہونا | لڑائی ہونا |
| پھول کی چھڑی نہ لگانا | کچھ نہ کہنا |
| منہ سے پھول جھڑنا | دلکش باتیں کرنا |
| جوتے چلنا | لڑائی ہونا |
| جوتیاں چٹخاتے پھرنا | بیکار پھرنا |
| جوتیوں میں دال بٹنا | عدم اتفاق ہونا |
| جوتے کے برابر نہ سمجھنا | احترام یا عزت نہ ہونا |

# مخصوص الفاظ

ذیل میں چند ایسے الفاظ دیئے گئے ہیں۔ جو خاص اسماء یا کیفیتوں کے لئے اظہار استعمال ہوتے ہیں۔ ان اسماء یا کیفیتوں کا صحیح مفہوم انہی مخصوص الفاظ سے ادا ہو سکتا ہے۔

مویشیوں کا ... گلّہ

بھیڑوں۔ بکریوں کا ... ریوڑ

انگوروں کا ... گچھا

بحری جہازوں کا ... بیڑا

بدمعاشوں کی ... ٹولی

جانوروں کی ... ڈار

چابیوں کا ... گچھا

روٹیوں کی/پانوں کی ... تھئی

ٹڈیوں کا ... دل

خطوں یا کاغذوں کا ... طومار

درختوں کا ... جھنڈ

ستاروں کا / عورتوں کا ... جھرمٹ

سواروں کا ... دستہ

صوفیوں / رندوں کا ... حلقہ

فوج کا ... پرا

کبوتروں کی ... ٹکڑی

کاغذوں کا ... دستہ

کٹے ہوئے اناج کا ڈھیر .. .. .. .. کھلیان۔ خرمن

کیلوں کی کا گچھا .. .. .. .. گہل

گھاس وغیرہ کا بنڈل .. .. .. .. گٹھا

گنوں کا (بنڈل) .. .. .. .. چھاندی

روشن (آگ کا ڈھیر) .. .. .. .. الاؤ

مزدوروں کا .. .. .. .. جتھہ

ہرنوں کی .. .. .. .. ڈار

موتی کی .. .. .. .. .. چمک

ہیرے کی .. .. .. .. .. ڈھلک

پھولوں کی .. .. .. .. .. مہک

عطر کی .. .. .. .. .. .. لپٹ

مچھلی یا گوشت کی بو .. .. .. .. .. بساند

چمڑا۔ بال روغن جلنے کی بو .. .. .. .. چراند

مرچیں یا تمباکو جلنے کی بو جس سے چھینکیں آئیں .. .. .. دھانس

تیز بدبو .. .. .. بھبک

سڑے گلے اناج کی بدبو .. .. .. .. بھکراند

ہلکی خوشبو .. .. .. .. بھینی بھینی خوشبو

مٹی کے کورے برتن یا زمین پر .. .. .. سوندھی سوندھی خوشبو

انگور۔ اناج۔ نمک کا .. .. .. .. دانہ

پیاز یا لہسن کی .. .. .. .. گٹھی

دھاگے کا .. .. .. .. .. گولا

| | |
|---|---|
| دونوں جوتے | جوڑا |
| سونے کا ٹکڑا | ڈلا |
| کپڑے کا پیوند | جوڑ |
| مٹی کا ٹکڑا | ڈھیلا |
| نمک کا ٹکڑا | ڈلا |
| اینٹ کا ٹکڑا | روڑا |
| شیشے کا ٹکڑا | ٹکڑی |
| الّو کا (بچہ) | پٹھہ |
| بلی کا | بلونگڑا |
| کتے کا | پلّا |
| ہاتھی کا | پاٹھا |
| گائے کا | بچھڑا |
| بھیڑ کا | لیلا |
| بکری کا | میمنہ |
| بھینس کا | کٹا |
| مرغی کا | چوزہ |
| چڑیا | چرونٹا |
| سانپ کا | سپنولیا |
| کوّے کی (آواز) | کائیں کائیں |
| چڑیا کی | چوں چوں |
| طوطے کی | ٹیں ٹیں |

مرغی کی ... ... ... ... ... ککڑوں کوں

گھوڑا ... ... ... ... ... ہنہناتا ہے

اونٹ ... ... ... ... بلبلاتا ہے

بکری ... ... ... ... ... میمناتی ہے

ڈھول یا طبلے کی ... ... ... تھاپ

پائل کی جھنک ... ... ... ... جھنکار

گھنگھروؤں کی ... ... ... ... چھنچھناہٹ

صراحی کی ... ... ... ... قلقل

سخت اندھیرا ... ... ... ... گھپ اندھیرا

پانی میں چلنے کی آواز ... ... ... ... چھڑاپ چھڑاپ

حقّے کی ... ... ... ... ... ... نے

پاؤں کی ... ... ... ... ... آہٹ

ہوا کی ... ... ... ... سرسراہٹ

پودوں / پھولوں کی ... ... ... لہلہاہٹ

پودوں / پھولوں میں تازگی اور نمی کا آنا ... ... طراوت

سکّے کی ... ... ... ... کھنک

کنوئیں کی ... ... ... ... ... ریں ریں

بندوق کا ... ... ... ... ... دھماکہ

زلزلہ کی ... ... ... ... ... گڑگڑاہٹ

کلیوں کا ... ... ... ... چٹکنا

چپت / تھپڑ لگنا ... ... ... ... چٹاخ

لکڑی یا کسی اور چیز کا ٹوٹنا .. .. .. .. چٹاخ

شیشے یا بوتل کا ٹوٹنا .. .. .. .. چھناکا

چوڑیوں کی .. .. .. .. .. چھنک

پھولوں کا .. .. .. .. .. رس

موت کی .. .. .. .. .. زردی

درخت کی .. .. .. .. .. چھاؤں

دیوار کا .. .. .. .. .. سایہ

درد کی .. .. .. .. .. ٹیس

بچوں کا .. .. .. .. .. بلکنا

# اعراب

زبر - زیر - پیش وغیرہ کو اعراب کہا جاتا ہے - اردو زبان میں کئی ایسے الفاظ موجود ہیں - جو ہم صورت یا ہم شکل ہیں - ان کو لکھتے وقت اعراب ضرور لگانے چاہئیں اعراب بدلنے سے ان کے معنے بدل جاتے ہیں - اور اعراب نہ دینے سے معنی سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے -

خَلقَت (ہجوم بھیڑ) خِلقَت (پیدائش)

زُہرہ (پِتّا) زہرہ (ایک ستارہ)

سَحَر (صبح) سِحر (جادو)

شِکوَہ (گلہ - شکایت) شکُوہ (شان و شوکت)

حَرف (خبیح) حِرف (محض -

عَالِم (علم رکھنے والا - جاننے والا) عَالَم (دنیا - جہان)

| | |
|---|---|
| عِلم (دانش) | عَلَم (جھنڈا) |
| قَدَر (قیمت-بزرگی) | قَدَر (تقدیر) |
| قدم (پاؤں) | قِدَم (پرانا پن-قدامت پسند-رجعت پسند) |
| قوت (روزی-خوراک) | قُوّت (طاقت-زور) |
| قَسَم (سوگند) | قِسم (حصہ-طرح) |
| کَرَم (مہربانی) | کِرم (کیڑا) |
| مادہ (نر کی ضد) | مادہ (جوہر-سواد) |
| مَثَل (کہاوت) | مِثل (مانند) |
| مَطلَع (طلوع ہونے کی جگہ) | مُطلَع (آگاہ کیا ہوا) |
| مَقام (مرتبہ) | مُقام (جگہ) |
| نفس (جان، دل) | نَفَس (سانس) |
| عَجَب (انوکھا) | عُجب (غرور) |
| عُقاب (شکاری پرندہ) | عَقاب (عذاب-تکلیف) |
| صُوَر (نرسنگھا-بگل) | صُوَر (صورت کی جمع) |
| صَفَر (سن ہجری کا مہینہ) | صِفر (نقطہ) |
| خاتَم (انگوٹھی-مہر) | خاتِم (ختم کرنے والا) |

# زائد الفاظ

کلام میں زور اور فصاحت پیدا کرنے کے لئے ایک بے معنی لفظ لگا دیا جاتا ہے۔ اسے تابع مہمل کہتے ہیں۔ جس لفظ کے ساتھ لگایا جاتا ہے اِسے تابع متبوع کہتے ہیں۔ اگر زائد لفظ با معنی ہو تو تابع موضوع کہلاتا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| الا بلا | دانہ دنکا | مانگ تانگ |
| اکا دکا | پنچ دھاڑ | میل کچیل |
| اکیلا دکیلا | ڈھونڈ ڈھانڈ | میل جول |
| اڑوس پڑوس | سچ مچ | میلہ ٹھیلہ |
| آتا پتا | سودا سلف | نئی نویلی |
| بھولا بسرا | شرما شرمی | ننگ دھڑنگ |
| بچا کھچا | علیک سلیک | واہی تباہی |
| بھیڑ بھڑکا | غلط ملط | تابع موضوع |
| پوچھ گچھ | غل غپاڑہ | بھول چوک |
| پکڑ دھکڑ | کالا بھجنگ | بھول بھٹک |
| ٹال مٹول | کالا کلوٹا | باگ ڈور |
| ٹھیک ٹھاک | کپڑا لتا | بھلا چنگا |
| جھٹ پٹ | گالی گلوچ | تاک جھانک |
| چوری چکاری | گپ شپ | جان پہچان |
| خالی خولی | گول مول | جوڑ توڑ |

| | | |
|---|---|---|
| چھین جھپٹ | کڑوا کسیلا | مار دھاڑ |
| چوری چھپے | کام کاج | گلی سڑی |

---

# خاص اصطلاحات اور تراجم

## زبان کی اصطلاحات

| | |
|---|---|
| Gender | تذکیر و تانیث (جنس) |
| Gerund | اسم مصدر |
| Haplology | تخفیف |
| Homo Phonos | متشابہ الصوت |
| Imperfect | ناتمام |
| Imperative | امر |
| Infinitive | مصدر |
| Interjection | فجائیہ (حرف) |
| Interrogative | استفہامیہ |
| Lingual | لسانی |
| Linguistics | لسانیات |
| Masculine | مذکر |
| Metathesis | قلب |
| Morpheme | صیغہ |
| Morphology | علم الصرف |

| | |
|---|---|
| Nasal | غُنّہ |
| Negative | منفی |
| Neutral | بے جنس |
| Noune | اسم |
| Number | عدد |
| Oblique | محرف۔ صیغہ (حالت) |
| Optative | دعائیہ |
| Active Voice | فعل معروف |
| Adjective | صفت |
| Adverb | متعلق فعل |
| Aggregative | عطفی (مرکب) |
| Allophone | ہم صوت |
| Analytical | تحلیلی |
| Antithesis | تقابل |
| Aorist | فعل مضارع |
| Article | آلہ تعریف |
| Augens | حرفِ تاکید |
| Auxiliary | معاون (فعل) |
| Compound | مرکّب |
| Conjugation | گردان |
| Consonant | مصمت۔ صحیح۔ |

| | |
|---|---|
| Derivation | اشتقاق |
| Dialect | بولی |
| Diminutive | مُصغر (اسم) |
| Etymology | علم الاشتقاق |
| Euphemism | کنایہ |
| Feminine | مؤنث |
| Future | مستقبل |
| Semology | علم المعانی |
| Semi Vowel | نیم مصوتہ |
| Sonants | مجہورہ |
| Sounds | اصوات |
| Specialization | تخصیص |
| Stem | مشتقِ منہ |
| Stops | وقفیہ |
| Suffix | لاحقہ |
| Syllable | مقطع - رکن |
| Syntagm | ترکیب |
| Syntax | نحو |
| Tone | لہجہ |
| Variation | تغیر |

| | |
|---|---|
| Verb | فعل |
| Vocal | صوتی |
| Vocative | ندائیہ |
| Vowel | مصوّتہ |
| Word | کلمہ |
| Orthography | علم التحریر |
| Participle | حالیہ |
| Particle | حرف |
| Passive | مجہول |
| Past | ماضی |
| Pause | وقفہ |
| Pejoration | تنقیص |
| Perfect | تمام |
| Person | فاعل |
| Philology | علم اللسان |
| Phonology | علم صوت |
| Phonetics | صوتیات |
| Phrase | فقرہ |
| Prefix | سابقہ |
| Preposition | صلہ |
| Present | حاضر حال |

| | |
|---|---|
| Primitive | قدیم |
| Pronunciotion | تلفظ |
| Proto Form | ماقبل - اصل |
| Punctuation | رموزِ اوقات |
| Radical | بنیادی |
| Root | مادہ |
| Founded | مادورہ |
| Seinanties, Semasiology | معنویات |
| Noun | اسم |
| Proper Noun | اسم معرفہ |
| Common Noun | اسم نکرہ |
| Singular | واحد |
| Plural | جمع |
| Collective Noun | اسم جمع |
| Pronoun | اسم جمیز |
| Personal Pronoun | ضمیر شخصی |
| Demonstatie Noun | ضمیر اشارہ |
| Relative Noun | ضمیر موصولہ |
| Interrogative Pronoun | ضمیر استفہامیہ |
| First Person | متکلم |
| Second Person | حاضر |

| | |
|---|---|
| Third Person | غائب |
| Adjective | اسم صفت |
| Positive Degree | صفتِ ذاتی |
| Comparative Degree | صفت نسبتی |
| Numerical Adjective | صفت عددی |
| Quantitative Adjective | صفتِ تعدادی |
| Definite Number | عدد معین |
| Indefinite Number | عدد غیر مُعیّن |
| Cardinal Number | عدد ترتیبی |
| Infinitive | اسم مصدر |
| Derivative Noun | اسم مشتق |
| Preposition | حرف |
| Interjections | حروفِ تعجب |
| Simile | تشبیہ |
| Sentence | جملہ |
| Positive Sentence | مثبت جملہ |
| Negative Sentence | منفی جملہ |
| Interrogative Sentence | استفہامیہ جملہ |
| Subject | فاعل |
| Object | مفعول |
| Predicate | مسند |

| | |
|---|---|
| Verb | فعل |
| Transitive Verb | فعل متعدی |
| Intransitive Verb | فعل لازم |
| Active Voice | فعل معروف |
| Passive Voice | فعل مجہول |
| Present Tense | فعل حال |
| Past Tense | فعل ماضی |
| Future Tense | فعل مستقبل |
| Negative Imperative | فعل نہی |
| Present Perfect Tense | ماضی قریب |
| Past Indefinite Tense | ماضی مطلق |
| Past Perfect | ماضی بعید |
| Past Sulojunctive | ماضی شکیہ |
| Past Continuous | ماضی استمراری |
| Past Conditional | ماضی شرطی یا تمنائی |
| Incomplete Verb | فعل ناقص |

# روزمرہ استعمال ہونیوالی اصطلاحات اور الفاظ

ذیل میں انگریزی کی کچھ اصطلاحات اور الفاظ اردو ترجمہ کے ساتھ دیئے جا رہے ہیں۔ یہ اصطلاحات اور الفاظ بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| Economic System | اقتصادی نظام |
| Capitalistic Economy | سرمایہ دارانہ معیشت |
| Facts and Fi gures | اعداد و شمار |
| Pakistan Penal Code | ضابطہ تعزیرات پاکستان |
| Recognition | تسلیم کرنا |
| Presidential Form of Govt. | صدارتی طرز حکومت |
| Extension | توسیع |
| Production | پیداوار |
| Popular Paper | مقبول عام اخبار |
| Lawlessness | لاقانونیت |
| Traditional | روایات |
| Intervention | مداخلت |
| ιeparable loss | ناقابل تلافی نقصان |
| Influential | با اثر |
| Coincidence | اتفاق |

| | |
|---|---|
| Propagation | پرچار۔ تبلیغ |
| Professional Misconduct | پیشہ ورانہ بددیانتی |
| Prejudice | تعصب |
| Positive | مثبت |
| Philanthrophist | مخیر |
| Persuation | ترغیب |
| Incentive | تحریک۔ ترغیب |
| Patent Right | حق اختراع |
| Optional | اختیاری |
| Official Document | سرکاری دستاویز |
| Obscene | فحش ۔عریاں |
| Nominee | نامزد |
| Imperialism | سامراج |
| Economic exploitation | معاشی استحصال |
| Dictatorial Powers | آمرانہ اختیارات |
| Socialistic Economy | اشتراکی معیشت |
| Communal riots | فرقہ ورانہ فسادات |
| Million | دس لاکھ |
| Co-existenee | بقائے باہمی |
| Parliamentary form of Govt. | پارلیمانی طرز حکومت |
| Yellow Journalism | زرد صحافت |

| | |
|---|---|
| Consumption | صرف - کھپت |
| Quality Paper | معیاری اخبار |
| Circular letter | گشتی مراسلہ |
| Mass Communication | ابلاغِ عام |
| Formalities | تکلفات رسمی باتیں |
| Investment | سرمایہ کاری |
| Irrelevant | غیر متعلقہ |
| Inheritance | ورثہ |
| Collaboration | تعاون - اشتراک |
| Birth right | پیدائشی حق |
| Prosecution | استغاثہ |
| Professional skill | پیشہ ورانہ مہارت |
| Prerogative | لازمی |
| Popularity | مقبولیت - ہر دلعزیزی |
| Negative | منفی |
| Appointment | تقرری |
| Partiality | جانب داری |
| Promulgation | نفاذ |
| Paper currency | زرِ کاغذی |
| Ex-officio | بلحاظ عہدہ |
| Nominal | برائے نام |

| | |
|---|---|
| Natural Calamity | قدرتی آفت |
| Neo-Colonialism | نئی نوآبادیت |
| Class struggle | طبقاتی کشمکش |
| Deficit Budget | خسارے کا میزانیہ |
| Beurgeoise | بورژوا |
| Inflation | افراطِ زر |
| Balance of Payments | ادائیگیوں کا توازن |
| Interim Constitution | عبوری آئین |
| Political awakening | سیاسی بیداری |
| National Solidarity | قومی استحکام |
| Profitable | نفع بخش |
| Fiscal Year | مالی سال |
| Superiority complex | احساس برتری |
| Compoundable | قابل صلح نامہ |
| Competitive examination | مقابلہ کا امتحان |
| Surface to Air Missiles (SAM) | زمین سے فضا میں مار کرنے والا میزائل |
| Minority Groups | اقلیتی گروہ |
| Conciliation | مصالحت |
| Good will | خیر سگالی |
| Standing ommittee | مجلس قائمہ |

| | |
|---|---|
| Press & Publication Ordinance | قانون مطبع و مطبوعات |
| Printer | طابع |
| Manufacturer | صانع |
| National Security | قومی سلامتی |
| Poverty Stricken | افلاس زدہ |
| Political Stability | سیاسی استحکام |
| General Consciousness | عمومی بیداری |
| Comprehension | ادراک |
| Debris | ملبہ |
| Effective measure | موثر اقدامات |
| Appropriate steps | موزوں اقدامات |
| Unavoidable | ناگزیر |

# اِملا

تحریر میں ایک خُوبی یہ ہونی چاہئے کہ وُہ آسانی کے ساتھ پڑھی جا سکے۔ آسان خواندگی میں خوش خطی، جلی کتابت یا ٹائپ اور بہتر طباعت کا دخل بھی ہوتا ہے لیکن اِملا بھی خواندگی کو آسان یا مشکل بنانے میں حصّہ لیتی ہے کچھ زبانیں تو ایسی ہیں جن میں الفاظ بنانے کے لئے حروف کو آپس میں نہیں ملایا جاتا بلکہ ہر لفظ کے حروف الگ الگ لکھے جاتے ہیں رومن رسم الخط میں لکھی جانے والی زبانوں کے الفاظ کے حروف الگ الگ لکھے جاتے ہیں۔ ہاتھ سے لکھتے وقت حروف کو ایک دوسرے سے ملایا بھی جاتا ہے تو اس طرح کہ پہلے حرف کا آخری حصّہ دُوسرے حرف کے شروع سے ملا دیا جاتا ہے جیسے لیکن کچھ زبانیں ایسی ہیں جن کے الفاظ حروف کی مختصر صورتوں کو آپس میں ملانے سے بنتے ہیں۔ حرُوف کی مختصر صورتوں کو ملا کر لکھنے میں کم وقت صرف ہوتا ہے اور ان کو پڑھنے میں بھی کم وقت لگتا ہے۔ اور الفاظ جگہ بھی کم گھیرتے ہیں۔ عربی، فارسی اردو اور اس گروہ کی دوسری زبانوں کے الفاظ اسی انداز میں لکھے جاتے ہیں پاکستان کو رومن طریقے سے لکھا جائے تو شکل یوں ہوں گی ۔ پ ا ک س ت ا ن اس طرح لکھنے میں وقت بھی زیادہ صرف ہوا۔ لفظ نے جگہ بھی زیادہ لی اور اسے پڑھنے میں بھی دیر لگی ۔

عربی و فارسی کی طرح اُردو زبان کے الفاظ کو حروف کی مختصر صورتوں کے ذریعے باہم ملا کر ان کو اور مختصر کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ مثلاً ک کے لئے دُوسرا دل

کو، آپس ہیں وغیرہ کو کیلئے، دوسرونکو، آپسمیں کی صورت میں بھی لکھا جا سکتا ہے۔ زیادہ تعلیم یافتہ افراد کو اس طرح کے الفاظ پڑھنے میں دقت پیش نہیں آتی لیکن بچے کم تعلیم یافتہ افراد اور نوآموز اس طرح کی عبارتیں آسانی سے نہیں پڑھ سکتے صحافتی تحریریں چونکہ بچوں، بوڑھوں، کم اور زیادہ تعلیم یافتہ سب کے لئے ہوتی ہیں۔ اس لئے املاء ایسی ہونی چاہیئے کہ بچوں اور کم تعلیم یافتہ افراد کو پڑھنے میں دقت محسوس نہ ہو۔ حروف اور الفاظ کو باہم ملانے سے وقت اور جگہ کی بچت ضرور ہوتی ہے۔ لیکن اس طرح الفاظ کی خواندگی مشکل ہو جائے تو یہ بچت بے سود ہوگی۔ چنانچہ عام تحریروں میں بالعموم اور صحافتی تحریروں میں بالخصوص املاء کے مندرجہ ذیل قواعد کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔

۱۔ جو الفاظ ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر زیادہ مختصر صورت میں لکھے جا سکتے ہیں وہ الگ الگ لکھے جائیں۔ جیسے

| ملا کر | الگ الگ | ملا کر | الگ الگ |
|---|---|---|---|
| کیلئے | کے لئے | زخمہائے دل | زخم ہائے دل |
| سبکو | سب کو | مخمصیمیں | مخمصے میں |
| کیمتعلق | کے متعلق | باتونسے | باتوں سے |
| کیمطابق | کے مطابق | دیکے | دے کے |
| اندرینحالات | اندریں حالات | بھلبھول | بھل بھول |
| درآنحالیکہ | درآں حالے کہ | پاکستانمیں | پاکستان میں |
| پاکستانیونکے | پاکستانیوں کے | بنیگا | بنے گا |
| باہمدگر | باہم دگر | سخت جانیہائے تنہائی | سخت جانی ہائے تنہائی |

| ملا کر | الگ الگ | ملا کر | الگ الگ |
|---|---|---|---|
| اورونکا | اوروں کا | مجھکو | مجھ کو |
| کیطرف | کی طرف | تمسے | تم سے |
| کیجانب | کی جانب | اُنسے | اُن سے |
| پاکستانیونپر | پاکستانیوں پر | ایکسا | ایک سا |
| کیجاتی | کی جاتی | دیکھکر | دیکھ کر |
| اقتصادیحالت | اقتصادی حالت | کہکر | کہہ کر |
| معاشینظریات | معاشی نظریات | کیونکر | کیوں کر |
| غلطیہائے مضامین | غلطی ہائے مضامین | نہائینگے | نہائیں گے |
| سونے کیکانیں | سونے کی کانیں | کرینگے | کریں گے |
| افلاسزدہ | افلاس زدہ | بیحد | بے حد |
| مُصیبتزدہ | مُصیبت زدہ | بیحساب | بے حساب |
| گزریگا | گزرے گا | بیکراں | بے کراں |
| اسکے | اس کے | بیکلی | بے کلی |
| اسکو | اس کو | چٹانونپر | چٹانوں پر |
| میریجان | میری جان | بیوفا | بے وفا |
| وقتکی | وقت کی | جاننثار | جان نثار |
| کیقدر | کی قدر | جَلترنگ | جَل ترنگ |
| غمخواری | غم خواری | تہیدست | تہی دست |
| ہمکو | ہم کو | کجکلاہ | کج کلاہ |
| تُمکو | تُم کو | کجرفتار | کج رفتار |

| | | | |
|---|---|---|---|
| جونکے توں | جوں کے توں | پیغامبر | پیغام بر |
| آئینگے | آئیں گے | تنگدامنی | تنگ دامنی |
| ہمراز | ہم راز | کجرو | کج رو |
| ہمسر | ہم سر | کجمغزا | کج مغزا |
| تن بتقدیر | تن بہ تقدیر | کسمپرسی | کس مپرسی |
| راضی برضا | راضی بہ رضا | رزمگاہ | رزم گاہ |
| جبتک | جب تک | یکبارگی | یک بارگی |
| کبتک | کب تک | کمیابی | کم یابی |
| جائینگے | جائیں گے | بیدین | بے دین |
| پیئنگے | پئیں گے | مینوش | مے نوش |
| کھائینگے | کھائیں گے | کیطرف | کی طرف |
| سوئینگے | سوئیں گے | بصورت | بہ صورت |
| بنائینگے | بنائیں گے | یکلخت | یک لخت |
| ہاتھونمیں | ہاتھوں میں | یکدم | یک دم |
| بیسود | بے سود | غزلخواں | غزل خواں |
| بیبس | بے بس | بیدریغ | بے دریغ |
| کیمعرفت | کی معرفت | بیمغز | بے مغز |
| جیئنگے | جیئیں گے | دلکی | دل کی |
| مرینگے | مریں گے | کیحالت | کی حالت |
| کٹینگے | کٹیں گے | مہوش | ماہ وش |
| آنکھونمیں | آنکھوں میں | | |
| جولانگاہ | جولاں گاہ | | |

۲- اعداد و شمار - ہمیشہ لفظوں میں لکھنے چاہئیں - لمبے اعداد و شمار اگر ہندسوں میں لکھے جائیں تو پڑھنے میں دشواری پیش آتی ہے - اگر یہ اعداد و شمار الفاظ میں لکھے جائیں تو وقت کے بغیر پڑھے جا سکیں گے ۔

مثال کے طور پر ۵۰۱۰۰۵۰۰۰۰ کو اگر پانچ ارب ایک کروڑ پچاس ہزار لکھا جائے تو یہ اعداد کسی مشکل اور رکاوٹ کے بغیر آسانی کے ساتھ پڑھے جا سکیں گے - دوسری صورت میں مشکل پیش آئے گی ۔

اعداد کو الفاظ میں لکھنے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ اس طرح غلطی کا امکان کم ہو جاتا ہے - بڑے یا لمبے اعداد کی کتابت کے وقت کوئی ہندسہ چھوٹ جانے ــــــ خاص طور پر صفر وغیرہ کے زیادہ یا کم ہو جانے کا امکان زیادہ ہوتا ہے ۔ بڑے اور طویل اعداد میں صرف ایک صفر کی کمی بیشی سے بہت زیادہ فرق واقع ہو جاتا ہے - اردو میں صفر کا ہندسہ ایک باریک سا نقطہ ۔ ہوتا ہے - طباعت وغیرہ کے عمل میں ایسے نقاط کے مٹ جانے یا ان میں اضافہ ہو جانے کا امکان بھی ہوتا ہے - اور اس طرح اصل اعداد میں غیر معمولی اضافہ یا کمی واقع ہونے کا احتمال ہوتا ہے - اس لئے ضروری ہے کہ اعداد الفاظ ہی میں لکھے جائیں تاکہ غلطی کا امکان بھی نہ رہے اور پڑھنے میں بھی آسانی ہو ۔

۳- ہم شکل الفاظ کو اعراب کے ساتھ لکھنا چاہیئے ورنہ عام قاری کو مفہوم سمجھنے میں دشواری پیش آئے گی - مثلاً سر کو بغیر اعراب کے لکھا جائے تو پورا جملہ پڑھ کر ہی یہ پتہ چلے گا کہ یہ سَر ہے یا سِر - سَحَر - سِحر - شکوہ - شِکوہ - صَرَف - صِرف - عالَم - عالِم - قَسم - قِسم - مَثَل - مِثل - اور ایسے دوسرے بہت سے الفاظ ہیں جن کو اعراب کے بغیر لکھا جائے تو ان کے معنی سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے ۔

۴۔ اضافت کی وضاحت کے لئے کسرہ یعنی زیر کا استعمال ضروری ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ عالم فاضل لوگ بغیر اعراب اور اضافتوں کے تحریر پڑھ سکتے ہیں۔ تاہم دیکھا گیا ہے کہ کسرہ کے بغیر اضافت کو سمجھنے میں ضرور دِقّت پیش آتی ہے۔ اگرچہ خبروں وغیرہ میں ایسے مرکبّات کم استعمال ہوتے ہیں جن میں اضافتیں استعمال ہوں تاہم مضمونوں، کالموں اور فیچروں میں مرکبات استعمال ہوتے ہیں، اور یہ مندرجات بھی سب قارئین کے لئے ہوتے ہیں۔ اس لئے عبارت کی خواندگی آسان بنانے کے لئے اضافت کو واضح کرنا ضروری ہے۔

مندرجہ ذیل مثالوں سے ظاہر ہے کہ اضافت کی وضاحت کے بغیر عبارتوں کی خواندگی میں مشکل پیش آتی ہے۔

| کسرہ کے بغیر | کسرہ کے ساتھ |
| --- | --- |
| فخر کائناتؐ | فخرِ کائناتؐ |
| سرور کونینؐ | سرورِ کونینؐ |
| راز درون پردہ | رازِ درونِ پردہ |
| جذبہ دل | جذبۂ دل |
| غم روزگار | غمِ روزگار |
| متاع بے بہا | متاعِ بے بہا |
| نعمت بے بدل | نعمتِ بے بدل |
| محرم راز | محرمِ راز |
| صور اسرافیل | صورِ اسرافیل |
| نغمہ جبریل | نغمۂ جبریل |
| حقیقت ابدی | حقیقتِ ابدی |

| | |
|---|---|
| آہ سحرگاہی | آہِ سحرگاہی |
| درد دل | دردِ دل |
| احساس زیاں | احساسِ زیاں |
| متاع کارواں | متاعِ کارواں |
| قائد اعظم | قائدِ اعظم |
| مملکت خداداد | مملکتِ خدادا |
| رہبر فرزانہ | رہبرِ فرزانہ |
| قصر حکومت | قصرِ حکومت |
| قوتِ بازو | قُوّتِ بازُو |
| ضروریات زندگی | ضروریاتِ زندگ |
| لازمہ حیات | لازمۂ حیات |
| فرزند جلیل | فرزندِ جلیل |
| صدمہ جانکاہ | صدمۂ جانکاہ |
| روز سیاہ | روزِ سیاہ |
| ساعت سعید | ساعتِ سعید |
| اقبال جرم | اِقبالِ جرم |
| غیرت دینی | غیرتِ دینی |
| احترام آدمیّت | احترامِ آدمیت |
| بزم ادب | بزمِ ادب |
| ارباب ذوق | اربابِ ذوق |
| حلقہ ارباب علم | حلقۂ اربابِ علم |

| | |
|---|---|
| ماہر نفسیات | ماہرِ نفسیات |
| اکابر دین | اکابرِ دین |
| دین اسلام | دینِ اسلام |
| فلسفہ مغرب | فلسفۂ مغرب |
| فتنہ دوراں | فتنۂ دوراں |
| جامعہ پنجاب | جامعۂ پنجاب |
| قرار داد مذمت | قرار دادِ مذمّت |
| فرط مسرت | فرطِ مسرّت |
| طریق کار | طریقِ کار |
| فرمودات قائد | فرموداتِ قائد |
| ارشاد خداوندی | ارشادِ خداوندی |
| دلیل محکم | دلیلِ محکم |
| تمغہ خدمت | تمغۂ خدمت |
| پس دیوار زنداں | پسِ دیوارِ زنداں |
| بوئے گل نالہ دل دود چراغ محفل | بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل |
| داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی | داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی |
| عید آزاداں شکوہ ملک و دیں | عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں |
| انسان کامل | انسانِ کامل |
| مرد مومن | مردِ مومن |
| طالب علم | طالبِ علم |
| اہالیان لاہور | اہالیانِ لاہور |

| | |
|---|---|
| دستور پاکستان | دُستورِ پاکستان |
| خدمت خلق | خدمتِ خلق |
| حُسن اخلاق | حُسنِ اخلاق |
| نمود سحر | نمُودِ سحر |
| آمد بہار | آمدِ بہار |
| کرہ ارض | کُرۂ ارض |
| موسم بہار | موسمِ بہار |
| فصل خزاں | فصلِ خزاں |
| خار مغیلاں | خارِ مُغیلاں |
| عزم نو | عزمِ نو |
| عید سعید | عیدِ سعید |
| سازش اغیار | سازشِ اغیار |
| رموز مملکت | رمُوزِ مملکت |
| ہجوم اشک | ہجومِ اشک |
| افراط زر | افراطِ زر |
| کسر شان | کسرِ شان |
| خلاف قانون | خلافِ قانون |

# تفہیم و اختصار

صحافتی زبان کی آخری مگر اہم ترین ضرورت اختصار ہے۔ یعنی کم سے کم الفاظ میں مفہوم بیان کرنا۔ اگرچہ ہر نوع کی تحریر میں غیر ضروری الفاظ کا استعمال طوالت کلام تکرار و اعادہ اور حشو و زوائد وغیرہ کا استعمال غیر مناسب ہے۔ تاہم علمی و ادبی تحریروں میں پیچیدہ مفاہیم کی وضاحت یا تاثر انگیزی کے لئے ان کا استعمال ہو سکتا ہے۔ مگر صحافتی تحریروں میں ان کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔ صحافتی مندرجات کو دو بڑے زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- خبریں۔

۲- آراء۔ مضامین۔ کالم۔ تبصرے۔ فیچر وغیرہ۔

خبروں میں تفصیلات کی گنجائش نہیں ہوتی۔ خبریں بھیجنے والوں کو ہمیشہ یہ شکایت رہتی ہے کہ ان کی بہت سی خبریں شائع ہی نہیں ہوتیں اور جو شائع ہوتی ہیں وہ انتہائی مختصر کر دی جاتی ہیں اگرچہ خبروں کو مصلحتوں کے تحت شائع نہ کرنا یا ان کو غیر ضروری طور پر مختصر کرنا مناسب نہیں تاہم اخبار نویسوں کو یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ وہ کم جگہ میں تمام خبریں نہیں شائع کر سکتے بہت سی چھوٹی موٹی خبریں تو اشاعت کے لیے منتخب ہی نہیں ہو پاتیں۔ جو خبریں منتخب کی جاتی ہیں ان کو زیادہ سے زیادہ اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے بعض اوقات منتخب شدہ بلکہ کتابت شدہ خبریں بھی چھپنے سے رہ جاتی ہیں۔ اگر ایک اخبار صرف ایک جلسے کی کارروائی من وعن شائع کرے تو اس کے لئے کئی کالم بلکہ صفحات

درکار ہوں گے۔ اس لئے لازمی ہے کہ خبروں میں صرف اہم باتیں دی جائیں اور وہ بھی انتہائی اختصار کے ساتھ۔

مضمونوں، کالموں اور فیچروں میں اگرچہ خبروں کی طرح انتہائی اختصار کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ تاہم بے جا طوالت کی یہاں بھی گنجائش نہیں ہے۔ یہ صحافتی ضرورت ہی نہیں، اس زمانے کی ضرورت ہے کہ ابلاغ میں اختصار مگر صراحت سے کام لیا جائے۔ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس دور کے قارئین طویل مضامین پڑھنا پسند نہیں کرتے۔ اس لئے مضمون میں جو کچھ کہنا ہو اختصار کے ساتھ مگر مدلل طور پر کہا جائے۔ اس کے علاوہ ایک ہی مسئلہ پر ایک طویل مضمون شائع کرنے کی بجائے اتنی جگہ میں مختلف مسائل پر دو تین مضامین کی اشاعت زیادہ مناسب ہے۔ آج کل مسائل کی بھرمار ہے۔ ٹریفک۔ صفائی۔ جرائم۔ حادثات۔ گرانی۔ غنڈہ گردی۔ اشیائے ضرورت کی کمیابی۔ ملاوٹ۔ بدعنوانی۔ رشوت۔ سفارش۔ اقربا پروری۔ نظم ونسق میں خرابی۔ ٹرانسپورٹ کی مشکلات۔ عریانی۔ فحاشی۔ بین الاقوامی معاملات اور دوسرے بہت سے مسائل ہیں۔ قارئین مختلف معاملات و مسائل میں اخبارات و جرائد سے راہنمائی کی توقع کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ درپیش مسائل میں سے اہم ترین مسائل کے بارے میں قارئین کی راہنمائی کی جائے اور انہیں معلومات فراہم کی جائیں۔ یہ اسی طرح ممکن ہے کہ اخبارات و جرائد کے صفحات پر ایسے مختلف مضامین شائع کئے جائیں جو مختصر مگر جامع ہوں۔ مفہوم کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اوصاف کی ضرورت ہے۔

۱۔ اخبار نویس کے پاس خبروں اور مضمونوں وغیرہ کی صورت میں جو مواد آئے وہ اُس کے اصل مفہوم کو جلد اور واضح طور پر سمجھ لے۔

علم ابلاغ کو آسان اور مؤثر بنا دیتا ہے جن کے پاس کچھ کہنے کو ہوتا ہے وہ اختصار

اور صراحت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن جن کے پاس کہنے کو کچھ نہ ہو یا جن کے ذہن صاف نہ ہوں وُہ ابلاغ کو پیچیدہ بنا نے اور طوالت دیتے ہیں۔ کامیاب اخبار نویس وہی ہے جو مواد کو دیکھ کر یہ جان لے کہ اس میں کیا کہا گیا ہے۔

۲۔ اخبار نویس جلد یہ فیصلہ کرے کہ آج کے حالات میں اور موجودہ حالات کے پس منظر میں کون سی باتیں اہم ہیں جو قارئین تک پہنچنی چاہئیں، کون سی باتیں یا نکات اہم ہیں اور کون سے نمبر اہم ہیں؟ اس اہلیت کے بغیر صحافتی تحریروں میں اختصار اور جامعیت پیدا کرنا مشکل ہے۔

۳۔ جب مفہوم واضح طور پر سمجھ میں آجائے اور یہ فیصلہ بھی ہو جائے کہ کون کون سی باتیں، واقعات یا نکات خبروں اور مضمونوں میں جاتے چاہئیں تو آخری کام یہ ہوتا ہے کہ متعلقہ باتوں، واقعات یا نکات کو اختصار کے ساتھ بیان کر دیا جائے اس کے لئے زبان پر قدرت درکار ہے تاکہ اصل مفہوم مناسب الفاظ میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جا سکے۔ مفہوم کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پیچیدہ تراکیب استعمال نہ کی جائیں۔ تشبیہہ و استعارہ اور صنائع بدائع سے پرہیز کیا جائے۔ چھوٹے جملے استعمال کئے جائیں مفہوم یا خیال کی تکرار نہ کی جائے۔

ذیل میں مفہوم کو غیر ضروری طوالت اور اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی چند مثالیں درج کی جارہی ہیں۔

| | |
|---|---|
| ۱۔ مخلص لوگوں کی ایک پہچان ہے جو بہت آسان ہے جو لوگ نیک نیت اور مخلص ہوتے ہیں وُہ اپنی اور نہ اپنے کام کی پبلسٹی ہرگز نہیں چاہتے۔ کیونکہ ان کا مقصد نمود و نمائش نہیں ہوتا۔ وُہ اچھے | مخلص لوگ اپنے اچھے کاموں کی تشہیر نہیں کرتے۔ |

اور نیک کام اس طرح کرتے ہیں کہ حتی الوسع کسی کو علم نہ ہو سکے، یعنی وہ نہایت خاموشی کے ساتھ اچھے کام کرتے ہیں۔

۲- دوسروں کو متاثر کرنے کا واحد، صحیح اور مؤثر طریقہ یہ ہے کہ ہم خود کو ان کے سامنے عملی نمونہ بنا کر پیش کریں۔ صرف باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ اوپر سے نیچے تک سب سطحوں پر باتیں ہی باتیں، تقریریں ہی تقریریں اور تحریریں ہی تحریریں ہیں ہم جو کہتے ہیں خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ اور جو کچھ کرتے ہیں اس کا ذکر نہیں کرتے۔ قول و فعل کا یہ تضاد ایک مرض ہے جس میں ہم سب مبتلا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مقرروں کی تقریروں، ناصحوں کی نصیحتوں اور واعظوں کے وعظ کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

دوسروں کو باتوں سے نہیں اپنے عمل ہی سے متاثر کیا جا سکتا ہے۔ ہم جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ اسی لئے ہماری تقریریں اور وعظ بے اثر ہیں۔

۳- ابلاغ عام کے ذرائع، اخبارات و جرائد، فلم، ریڈیو ٹیلیویژن وغیرہ بے حد طاقتور ہیں، جو قومیں اپنے سامنے واضح قومی مقاصد رکھتی ہیں اور ذرائع ابلاغ کا صحیح استعمال جانتی ہیں وہ ان سے بے حد مفید کام لے رہی ہیں ہر ذریعۂ ابلاغ ایک ایسی فوج کی حیثیت رکھتا ہے جو میدان کارزار میں دشمنوں کو مسخر کرنے کی بجائے ذہنوں کو

اپنے سامنے واضح قومی مقاصد رکھنے والی قومیں ابلاغ عام کے ذرائع سے بہت مفید کام لے رہی ہیں لیکن ہمارے یہاں ابلاغ عام کے ذرائع غیر صحت مند اثرات پیدا کر رہے ہیں۔ یا تو متعلقہ اداروں کے سامنے

مُسخّر کرتی ہے۔ لیکن ہمارے یہاں یا تو ابلاغ
عام کے اداروں کے سامنے واضح قومی مقاصد
نہیں ہیں یا پھر ابلاغ عام کے ذرائع کی قوت
کو صحیح طور پر استعمال کرنے کا فن نہیں آتا
مختلف ذرائع ابلاغ کا مجموعی اثر ذہنی انتشار
فکری افتراق، جذباتی ہیجان اور ایسے ہی
دُوسرے غیر صحتمند اثرات کی صورت میں ظاہر
ہو رہا ہے۔

واضح قومی مقاصد نہیں ہیں
یا اُن کو صحیح طور پر استعمال
نہیں کیا جا رہا۔

# رموزِ اوقاف

بات چیت میں آواز کے زیر و بم، لہجے کے اتار چڑھاؤ۔ الفاظ کی ادائیگی چہرے کے تاثرات، اور جسم کی حرکات و سکنات سے صحیح مفہوم کی ادائیگی میں مدد ملتی ہے۔ سوال، خطاب، انکار، اِقرار، مُسرّت و غم کے اظہار غرض! ہر انداز کے بیان و ابلاغ میں لہجے کے ہر انداز کی جگہ ایک مخصوص علامت استعمال ہوتی ہے۔ چنانچہ رموزِ اوقاف وُہ علامتیں ہیں جو ایک جُملے کو دُوسرے جُملے سے جُدا کرنے یا ایک جُملے کے ایک حِصّے کو دوسرے حصّے سے جدا کرنے اور اظہار کی مُختلف صُورتوں کو واضح کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ اگر تحریر میں یہ علامتیں استعمال نہ کی جائیں تو تحریر کی خواندگی اور مطلب سمجھنے میں مُشکل پیش آتی ہے۔

مُختلف رمُوزِ اوقاف کے نام اور شکلیں مندرجہ ذیل ہیں

| مفہوم | علامت | اُردو نام | انگریزی نام | مثال |
|---|---|---|---|---|
| چھوٹا ٹھہراؤ | ، | سکتہ | Comma | اکبر، اصغر، اسلم اور احمد محنتی طالب علم ہیں۔ |
| ٹھہراؤ | ؛ | وقفہ | Semi colon | اس زمانے میں جبکہ طاقتور ذرائع ابلاغ کے ذریعے دن رات پراپیگنڈہ ہوتا ہے؛ جبکہ متضاد نظریات |

| استعمال | انگریزی نام | اردو نام | علامت | مفہوم |
|---|---|---|---|---|
| خیالات ہر وقت بارش کی طرح ہم پر برستے ہیں۔ حقیقت کی تلاش مشکل ہے۔ ہم سب مسلمان ہیں۔ ہم سب پاکستانی ہیں۔ | Full stop | ختمہ | — | جملہ ختم ہونے کا نشان |
| کسی دانا کا قول ہے: وقت ہی دولت ہے | Colon | رابطہ | : | مجمل سے مفصّل کو ملانے والا |
| علامہ اقبال کا ارشاد ہے:- ہر فرد ہے ملّت کے مقدّر کا ستارا | Colon and Dash | تفصیلیہ | :- | رابطہ اور تفصیل ظاہر کرنے والا |
| آپ نے کیا فرمایا؟ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ | Sign of Interrogation | سوالیہ | ؟ | علامت استفہام |
| امجد! ذرا ادھر آیئے۔ واہ وا! کیا بات پیدا کی ہے۔ وہ اور مروّت! کہیں پتھروں پر پھول اُگے ہیں؟ | Sign of Exclamation | فجائیہ ندائیہ | ! | خطاب، ندا، حیرت وغیرہ کے انداز کو ظاہر کرنے والا |
| میرا ملک (یعنی پاکستان) ایک منفرد خطہ ہے۔ | Brackets | قوسین | ( ) [ ] | جملہ معترضہ کے شروع اور آخر کو ظاہر کرنے کے لئے |
| میرا ملک —— پاکستان —— ایک منفرد خطہ ہے۔ | Dash | خط | —— | جملہ معترضہ کو ظاہر کرنے کے لئے |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| اقتباس یا قول کے شروع اور آخر میں ظاہر کرنے کے لئے | ” “ | واوین | Inverted Commas | نواسۂ رسول کا ارشاد ”ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود ظلم ہے“ اعلیٰ ترین اخلاق و کردار کا درس ہے ۔ |

آجکل مرکّب اصطلاحات کا استعمال بڑھ رہا ہے ۔ انگریزی میں
کی مدد سے مرکّب اصطلاحات بنانے کا قاعدہ موجود ہے ۔ جیسے

وغیرہ اردو میں انگریزی، اردو میں ختمہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے ۔
بابائے اردو مولوی عبدالحق کا مشورہ ہے کہ انگریزی کی جگہ
اردو میں زنجیرہ ۷ استعمال کیا جائے ۔ لیکن اردو میں زنجیرہ کی جگہ ”و“ کے
استعمال کا بھی رواج ہے ۔ جیسے سماجی و اقتصادی ۔ برقی و مقناطیسی اور چینی
و پاکستانی وغیرہ یعنی کا نام حرفِ ربط سے لیا جاتا ہے ۔
اور یہی طریقہ رواج پا چکا ہے ۔ اگر مقصود یہ ہے کہ روانی اور آسانی کے
ساتھ مفہوم ادا ہو سکے تو زنجیرہ کا استعمال ضروری معلوم نہیں ہوتا ۔

# مترادفات

مُترادفات کا مطلب ہم معنی الفاظ ہیں۔ مثلاً آسمان۔ فلک۔ چرخ نیلگوں سپہر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک معنیٰ۔ مفہوم۔ کیفیت وغیرہ کے اظہار کے لئے ایک لفظ موجود ہے تو اسی مفہوم کو ظاہر کرنے والے دوسرے لفظ یا الفاظ کے وجود کا کیا جواز ہے؟ مترادفات کی موجودگی کا ایک سبب تو یہ ہے کہ جس طرح انسانی تہذیبیں اور ثقافتیں ایک دوسری پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اسی طرح زبانیں بھی ایک دوسری کو متاثر کرتی رہتی ہیں۔ خصوصاً اردو تو کئی زبانوں، عربی، فارسی، ترکی اور بعض مقامی زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے تیار ہوئی ہے اس لئے اس میں کئی زبانوں کے ہم معنیٰ الفاظ جمع ہو گئے ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بعض مفاہیم یا مطالب ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔ بعض کیفیتات میں معمولی فرق ہوتا ہے۔ اس لئے تقریباً ملتے جلتے مفاہیم یا یکساں کیفیات کو ظاہر کرنے والے الفاظ بھی عموماً مترادفات کے طور پر استعمال ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً غم و غصّہ۔ رنج و فرقت۔ مسرّت و شادمانی فتح و کامرانی۔ عشق و محبّت۔ قہر و غضب۔ حزن و ملال۔ یہ تمام الفاظ اگرچہ الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں لیکن ہر دو الفاظ کے مفہوم میں قربت کے باعث عموماً ان کو مترادفات کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ شروع کے ابواب میں بحث ہو چکی ہے۔ صحافتی تحریر میں سلاست اور اختصار کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے مترادفات کے سلسلے میں دو رہنما اصول

وضع کئے جا سکتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں ۔

۱۔ اگر مترادفات مختلف زبانوں کے الفاظ ہیں ۔ جیسے آسمان فلک ۔ چرخِ نیلگوں سپہر وغیرہ تو صحافتی تحریر میں وُہ لفظ استعمال کیا جائے جو آسان ترین ہو اور جسے زیادہ سے زیادہ لوگ سمجھتے ہیں ۔ مذکورہ بالا چاروں مترادفات میں سے آسمان ، نسبتاً آسان اور عام فہم ہے ۔ اسی طرح ۔ زمین ۔ کرّۂ ارضی ۔ رُبع مسکوں مترادفات ہیں ۔ ان تینوں میں زمین نسبتاً آسان اور عام فہم ہے ۔ اس لئے اسی کا استعمال مناسب ہے ۔

۲ ۔ اگر مترادفات ایسے ہوں جو تقریباً یکساں مطالب یا کیفیات کو ظاہر کرتے ہیں تو ان میں سے وُہی لفظ استعمال کرنا چاہیئے جو اصل مطلب یا کیفیت کو ظاہر کرے ۔ ایسے مترادفات ایک زبان کے ہوں یا مُختلف زبانوں کے ۔ غم اور غُصّہ دو الگ کیفیات ہیں ۔ دونوں کو ایک ہی مفہوم کی ادائیگی کے لئے استعمال کرنا بلاغت کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے ۔ اس لئے جس کیفیت کا اظہار مقصُود ہو اس کے لئے مَوجُود لفظ ہی استعمال کرنا چاہیئے عام ادبی و علمی تحریروں میں مترادفات کا استعمال بعض اوقات تحریر میں حسُن اور اثر پیدا کر دیتا ہے لیکن صحافتی تحریر میں اس طرح کے مترادفات کا استعمال مُستحسن نہیں ہے کیونکہ ایک تو مترادفات کا استعمال طوالتِ کلام کا باعث بنتا ہے ۔ دُوسرے مفہوم کو مُعروضی طور پر پیش کرنے میں رکاوٹ ڈالتا ہے ۔

مُختلف زبانوں میں ان کے مترادفات پر مشتمل ضخیم کتابیں مَوجُود ہیں ۔ اُردو میں بھی خاصا کام ہو چکا ہے ۔ یہاں زیادہ الفاظ کے مترادفات درج کرنے کی گنجائش نہیں ہے چند ایسے الفاظ کے مترادفات درج کئے جا رہے ہیں جو روزمرّہ استعمال میں آتے ہیں ۔

آج کل — ان دنوں - اس زمانے میں - اس دور میں - ان حالات میں - عصر حاضر میں - موجودہ وقت میں - موجودہ زمانے میں - زمان حاضر میں -

آدمیّت — انسانیت - شرافت - خوش اخلاقی - بلند کرداری - مُروّت - انسان دوستی

آرام — سکون - اطمینان - چین - قرار - تسکین - طمانیت - آسائش - راحت -

آرائش — تزئین - خوبصورتی - سجاوٹ - سنگار - زینت -

آزادی — حُریّت - خود مختاری - نجات - رہائی - رستگاری - خلاصی -

آزمائش — امتحان - ابتلا - جانچ پرکھ - جانچ پڑتال - چھان پھٹک -

آفت — مصیبت - تکلیف - مُشکل - بپتا - عذاب - قہر - غضب -

آگاہ — باخبر - خبردار - واقف - اہل دانش - تجربہ کار - دانا - ہوشیار - عقلمند -

آگاہی — عقلمندی - ہوشیاری - دانشمندی - واقفیت - عرفان - پہچان -

آمادہ — تیّار - کمربستہ - راضی - رضامند - مُستعد -

آئین — دستور - قاعدہ - قانون - لائحۂ عمل - رسم ورواج - شیوہ - طریقہ - اُصول - ضابطہ -

ابتری — بربادی - خرابی - بے ترتیبی - افراتفری - پراگندگی - پریشانی - تباہی - فتور - گڑبڑ -

ابد — جاوداں - جاوید - یکساں - لازوال - سدا -

ابن الوقت - موقع پرست - مطلبی - زمانہ ساز - دُنیاساز - خودغرض - طوطاچشم - مطلب پرست - بے اُصول -

اپیل — مدد خواہی - درخواست - چارہ جوئی - انصاف طلبی - توجہ طلبی -

اتحاد — اتفاق - یگانگت - ربط - ایکا - یک جہتی - محبّت - قربت -

اٹل — مُستقل ۔ ناقابلِ تغیّر ۔ غیر متزلزل ۔ انمٹ ۔ غیر مُتبدّل ۔

اُجاگر — واضح ۔ روشن ۔ ظاہر ۔ نمایاں ۔ عیاں ۔ صاف ۔ آشکار ۔

اجتماع — اکٹھ ۔ مجمع ۔ بھیڑ ۔ انبوہ ۔ جمگھٹا ۔ ۔ ہجوم ۔ اژدھام

اجتہاد — جدت پیدا کرنا ۔ نیاپن ۔ کوشش ۔ سعی ۔

احاطہ — حلقہ ۔ چکّر ۔ دَور ۔ حیطہ ۔ گھیرا ۔

احتجاج — حجّت کرنا ۔ جھگڑنا ۔ روک تھام ۔ سدّ باب ۔ ناپسندیدگی کا اظہار کرنا ۔ دلیل لانا ۔

احتساب ۔ جانچ پڑتال ۔ محاسبہ ۔ حساب ۔ پڑتال ۔ نگرانی ۔

اختراع — ایجاد ۔ انکشاف ۔ آئین نو ۔ جدّت ۔ طرزِ نو ۔ نئی چیز پیدا کرنا ۔ نیا نکتہ پیدا کرنا ۔

اُخوّت ۔ یگانگت ۔ بھائی چارہ ۔ بھائی بندی ۔ برادری ۔ اپنائیت ۔

ادراک — فہم ۔ سمجھ ۔ شعور ۔ عقل ۔ دانش ۔ پہنچ ۔ دریافت ۔ فراست ۔

ارتقا — ترقی ۔ بلندی کی طرف جانا ۔ پیشرفت ۔ اُوپر چڑھنا ۔

ارتکاب — سرزد ہونا ۔ عمل کرنا ۔ فعل سرزد ہونا ۔ اختیار کرنا ۔

ازالہ — زائل کرنا ۔ تلافی کرنا ۔ نقصان پُورا کرنا ۔ کسر پوری کرنا ۔

اِستحصال ۔ لُوٹ کھسوٹ ۔ تحصیل زر ۔ مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھانا ۔ مقصد برآری کے لئے استعمال کرنا ۔

استحکام — مضبوطی ۔ پختگی ۔ محکمی ۔ استواری ۔

استعداد — صلاحیت ۔ قابلیّت ۔ ملکہ ۔ لیاقت ۔ علمی مادہ ۔ پیداوار کی گنجائش ۔

استغاثہ — فریاد خواہی ۔ انصاف خواہی ۔ داد خواہی ۔ نالش ۔

اِشاعت — توسیع ۔ تبلیغ ۔ پھیلاؤ ۔ شائع کرنا ۔ شہرت ۔ عام کرنا ۔ نشر کرنا ۔

اضطراب ۔ بے چینی ۔ بے قراری ۔ بے تابی ۔ گھبراہٹ ۔ بے کلی ۔ بے اطمینانی ۔

اکتفا ۔ کفایت ۔ قناعت ۔ پورا ہونا ۔ کافی ہونا ۔ مطمئن ہونا ۔

اُکسانا ۔ بھڑکانا ۔ برانگیختہ کرنا ۔ تیار کرنا ۔ آمادہ کرنا ۔ بہکانا ۔

اولوالعزم ۔ بلند ہمت ۔ عالی حوصلہ ۔ پختہ عزم ۔ صاحب جرأت ۔ پختہ ارادے والا ۔ دھنی ۔

امکان ۔ ممکن ہونا ۔ قدرت ۔ اختیار ۔ مجال ۔ مقدور ۔

آن ۔ شان ۔ تمکنت ۔ آن بان ۔ شان و شوکت ۔ ادا ۔ ناز و ادا ۔ عہد
خصلت ۔ ضد ۔ لمحہ ۔ ساعت ۔ گھڑی ۔

انتشار ۔ تفرقہ ۔ پریشانی ۔ تردد ۔ گھبراہٹ ۔ افتراق ۔

انحصار ۔ دار و مدار ۔ اعتبار ۔ آسرا ۔ بھروسہ ۔

انسداد ۔ روک تھام ۔ بند کرنا ۔ روکنا ۔ انتظام ۔

انکشاف ۔ ظاہر ہونا ۔ کھلنا ۔ فاش ہونا ۔ ہویدا ہونا ۔ نمایاں ہونا ۔ منظر عام پر آنا ۔

اہتمام ۔ بندوبست ۔ انتظام ۔ انصرام ۔ کوشش ۔ تیاری ۔

بادی النظر ۔ سرسری نظر ۔ بظاہر ۔ ابتدائی نظر ۔ سرسری جائزہ ۔ نظرِ جمال ۔

بالمشافہ ۔ رُوبرو ۔ آمنے سامنے ۔ دوبدو ۔

بدمعاش ۔ بدچلن ۔ بداطوار ۔ بدکار ۔ بدافعال ۔ حرام خور ۔ لُچّا ۔ لفنگا ۔
شُہدا ۔ غنڈہ ۔

برداشت ۔ تحمل ۔ ضبط ۔ صبر ۔ ہمت ۔ قوت ۔ سکون ۔ حوصلہ ۔

بُردبار ۔ مُتحمل ۔ صابر ۔ حلیم ۔ برداشت کرنے والا ۔ صابر ۔

برطرفی ۔ علیحدگی ۔ برخاستگی ۔ موقوفی ۔ معزولی ۔ چُھٹّی ۔

برمحل ۔ بروقت ۔ برجستہ ۔ موزوں ۔ درست ۔ ٹھیک ۔ حسب موقع ۔

بساط ۔ ہمت ۔ قدرت ۔ وسعت ۔ استطاعت ۔ حیثیت ۔ مقدور ۔ حوصلہ ۔

بندش - رکاوٹ - ممانعت - مناعی - امتناع -

بہبود - فلاح - بہتری - بھلائی - فائدہ - نفع - اِفادہ

پالیسی - حکمت عملی - مصلحت - طریق کار - لائحہ عمل - وضعِ عمل - مصلحتِ وقت

پِٹھو - دلال - ایجنٹ - گماشتہ - حمایتی - مُنہ چڑھا - آلۂ کار -

پَرتو - روشنی - شعاع - کرن - چمکارا - نوُر -

تالیف - یکجا کرنا - اکٹھا کرنا - باہم اُلفت رہنا - رابطہ پیدا کرنا - موافق کرنا -

تامّل - دیر - توقف - انکار - شک - تذبذب - ہچکچاہٹ -

تائید - حمایت - طرفداری - معاونت - امداد - پشت پناہی -

تحریف - بدلنا - تبدیل کرنا - خلاف بیان کرنا - تغیر -

ترغیب - پھسلاوٹ - بہکاوٹ - تحریص - آمادہ کرنا - تیار کرنا - شوق ابھارنا -

تصوّر - خیال - تخیل - سوچ - دھیان - ادراک -

تضحیک - ہنسی اڑانا - رُسوائی - ذلّت - تمسخر -

تفتیش - کھوج - دریافت - سراغ - پوچھ گچھ - تحقیق - جُستجو -

تنوُّع - رنگارنگ - گوناگوں - مختلف اقسام - مُختلف انواع -

جامعہ - یونیورسٹی - دانش گاہ - دارالعلوم - مدرستہ العلوم -

جسامت - ڈیل ڈول - موٹائی - جُثّہ - جسم -

جنون - خبط - دیوانگی - پاگل پن - والہانہ لگاؤ -

جَودت - تیز فہمی - فراست - تیز رفتاری - ذکاوت - تیزی -

حتی الامکان - مقدور بھر - بساط بھر - تابمقدوُر - حتی الوسع -

حواس - اوسان - ہوش - عقل - سمجھ - فہم -

خلل - خرابی - ابتری - انتشار - فتوُر - بگاڑ -

دانستہ - جان بوجھ کر - عمداً - قصداً -

دہشت - ہراس - خوف - ڈر -

رسُوخ - پہنچ - رسائی - نفوذ - اثر -

روّیہ - طور طریقہ - طرزِ عمل - ڈھنگ - ڈھب - روش - وضع - دستور -

سبقت - پیش قدمی - پیش رفت - پیش روی - تقدّم - آگے بڑھ جانا -
بازی لے جانا -

سیرت - خصلت - طبیعت - مزاج - طبع -

شِعار - طریق - شیوہ - رَوش - ڈھنگ - طرز - طور - وضع -

شعور - عقل - دانائی - سمجھ - تمیز - وقوف - تجربہ کاری -

صِنف - قسم - نوع - جنس -

صیقل - چمک - جلا - آب و تاب - صفائی -

ضخامت - جسامت - موٹائی - حُجم -

طینت - سرشت - جبلّت - خصلت - عادت - فطرت -

عظمت - عزّت - جلال - توقیر - شرف - بڑائی - شان - سطوت -

فصاحت - شیریں بیانی - خوش بیانی - خوش گفتاری -

قدر - قیمت - منزلت - وقعت - توقیر - مرتبہ - رُتبہ -

کٹھن - مُشکل - سخت - دشوار -

کثیر - زیادہ - وافر - بافراط - بہت -

کردار - چال چلن - عمل فعل - سیرت -

کشمکش - کشیدگی - تنازعہ - کھینچا تانی - کشاکش - جدوجہد - دقّت -

کہکشاں - راہ سفید - باب السماء - آسمان درہ - مسطبہ -

کہُن - پرانا - قدیم - فرسودہ - پارینہ -
کیفیت - حالت - عالم - صورت - وضع - قطع - رنگ - ڈھنگ - طور طریقہ -
گڈمڈ - خلط ملط - مِلا جلا - الٹ پلٹ - غلط سلط -
گراں - ناگوار - ناپسند - بھاری - وزنی - بیش قیمت -
گماشتہ - کارندہ - معاون - کارپرداز - نمائندہ - ایجنٹ -
گوناگوں - قِسم قِسم - رنگ برنگ - انواع واقسام - طرح طرح کا - بوقلموں - متنوّع -
مارِ آستین - چھپا دشمن - یارِ مار - بغلی گھونسا - دغاباز دوست - دوست نما دشمن
دوست کُش
متضاد - الٹ - خلاف - برعکس - مُنافی - ناموافق -
محبت - پیار - اُنس - حُب - مہر - چاہ - عشق - قربت - انسیت -
محو - مصروف - مگن - مشغول - کھویا ہُوا - مدغم -
مراجعت - واپسی - رجوع - معاودت - عَود -
مروّت - رعایت - لحاظ - احسان - نیکی - پاسِ خاطر - حُسنِ سلوک -
مزاح - ہنسی - خوش مزاقی - خوش مزاجی - خوش طبعی - ظرافت -
مزاحمت - مدافعت - روک تھام - مخالفت - رخنہ اندازی -
مستحسن - مناسب - پسندیدہ - خُوب - بہتر - شائستہ - زیبا -
مطالبہ - طلب کرنا - مانگنا - مُدّعا ظاہر کرنا - منشا - خواہش - عرض -
مطمحِ نظر - منتہائے مقصود - منزلِ مقصود - مقصدِ اصلی - نصب العین -
مظاہرہ - دکھاوا - نمائش - سرِعام ظاہر کرنا - حمایت یا مخالفت کا کھلا اظہار -
معاً - اچانک - یکبارگی - فوراً - ایک ساتھ - دفعتاً -
معدوم - مفقود - نیست و نابود - ناپید - گم - عنقا - کالعدم -

ملاحظہ - لحاظ - پاسداری - طرفداری -

مُوشگافی - نکتہ چینی - بال کی کھال اتارنا - دقیقہ سنجی - باریک بینی -

نابغہ - عاقل - غیر معمولی طور پر ذہین - بالغ نظر - نظر شناس - نکتہ عبقری - دانشور - زیرک - فرزانہ - پختہ فکر -

ندُرت - نرالا پن - انوکھا پن - جدّت - نیا پن -

وجد - عالم سرمستی - بے خودی - سرُور - کیف -

وحشت - جنون - سودا - دیوانگی - حیوانیت - درندگی -

ورغلانا - بہکانا - پٹی پڑھانا - اکسانا - ترغیب دینا - بھڑکانا -

وسائل - ذرائع - وسیلے - واسطے - اسباب -

وصف - خوبی - عمدگی - اچھائی - تعریف - گُن - صفت - جوہر - کمال ہُنر - سلیقہ

ہجو - مُذمت - بدگوئی - بُرائی

ہدف - نشانہ - مار - زد -

ہراساں - خوف زدہ - ڈرا ہوا - دہشت زدہ -

یادداشت - قوت حافظہ - یاددہانی - خیال - تصوّر

ہیجان - جوش - ابھار - ابال - تیزی - شدّت - زور -

یقین - اعتماد - پختہ اعتبار - بھروسا - ایمان - اعتقاد - وثوق

یکتا - بے مثال - بے نظیر - لاجواب - نادر - بے بدل - بے مثل - لاثانی -

# صحافت کی جدید صورتیں اور زبان

صحافت کی جدید صورتیں ریڈیائی صحافت اور ٹیلیوژن صحافت ہیں۔ ان جدید صورتوں کا دائرہ کار اور دائرہ اثر اخباری صحافت کے دائرہ کار اور دائرہ اثر سے زیادہ وسیع ہے۔ ریڈیو کا دائرہ اثر تو مسلمہ طور پر بیحد وسیع ہے۔ ٹیلیوژن کا دائرہ کار ابھی محدود ہے۔ خصوصاً ترقی پذیر ملکوں میں اس کی رسائی آبادی کے محدود طبقے تک ہے تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ کار بھی بڑھتا جارہا ہے۔ صحافت کی جدید اقسام اپنی نوعیت کے لحاظ سے ابلاغ کی زیادہ موثر صورتیں ہیں۔ اگر ابلاغ کی ان مؤثر صورتوں کو صحافتی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے تو بہت مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ صحافتی مقاصد سے مراد یہ ہے کہ ریڈیو اور ٹیلیوژن سے صحافتی مواد زیادہ نشر اور ٹیلی کاسٹ کیا جائے اور ان ذرائع کو صرف تفریح کے ذرائع نہ بنایا جائے۔

ملکی ترقی میں ابلاغ عام کے ذرائع کا کردار محتاج بیان نہیں۔ ابلاغ عام کے مؤثر ذرائع تعمیر و ترقی میں زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان ذرائع کو قومی مقاصد کے لئے دانشمندی سے استعمال کیا جائے اس وقت ہمارے یہاں ریڈیو اور ٹیلیوژن کی نشریات کے کل وقت کا بہت کم حصہ صحافتی مواد کے لئے وقف ہوتا ہے زیادہ وقت تفریحی پروگراموں کو دیا جاتا ہے۔ صحافتی مواد یعنی خبروں اور تبصروں وغیرہ کے پروگرام بھی ہر دور میں ایک پالیسی کے تحت ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ مواد بھی سامعین اور ناظرین کی اکثریت کے نزدیک "لائق اعتبار" نہیں ہوتا۔ ابلاغ عام کے ذرائع کا قابل اعتبار یا ناقابل اعتبار ہونا ایک الگ موضوع ہے۔ یہاں اس پر بحث کی گنجائش نہیں ہے۔

صحافت کی جدید صورتوں کو صحافتی ابلاغ کے لئے مؤثر طور پر استعمال کرنے میں زبان بیحد اہم کردار ادا کرتی ہے۔ خبریں اور تبصرے نشر اور ٹیلی کاسٹ کر دینے سے صحافتی ابلاغ کا مقصد پورا نہیں ہو جاتا۔ اصل مقصد یہ ہے کہ خبریں، تبصرے اور صحافتی زمرہ میں آنے والے دوسرے پروگرام سنیں اور سمجھے جائیں۔

اخبار کے قارئین اور ریڈیو و ٹیلیویژن کے سامعین اور ناظرین میں ایک بنیادی فرق ہوتا ہے۔ اخبارات بہرحال تعلیم یافتہ قارئین کے لئے ہوتے ہیں۔ لیکن ریڈیو و ٹیلی ویژن کے سامعین اور ناظرین میں اَن پڑھ یا تھوڑے لکھے پڑھے لوگ بھی ہوتے ہیں چنانچہ خبروں، تبصروں اور دوسرے صحافتی مواد کی زبان میں یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ان پڑھ یا کم پڑھے لکھے لوگ بھی اسے سمجھ لیں۔ اگر صحافتی مواد لوگوں کی زبان میں پیش کیا جائے اور عام فہم اور سادہ الفاظ استعمال کئے جائیں تو یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

اخباری صحافت اور ریڈیائی صحافت اور ٹیلی ویژن صحافت میں ایک اور بنیادی فرق پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اخبار سے تحریر مراد ہے اور تحریر آنکھوں کے لئے ہوتی ہے۔ چنانچہ اخباری زبان میں اگر کسی وجہ سے طویل جملے استعمال ہو بھی جائیں تو ان کو توجہ سے پڑھا جا سکتا ہے۔ ایک بار جملہ سمجھ نہ آئے تو دوبارہ پڑھا جا سکتا ہے۔ اخباری مندرجات فرصت کے وقت —— جب جی چاہے پڑھے جا سکتے ہیں۔ ریڈیائی نشریات "کانوں" کے لئے ہوتی ہیں۔ ٹیلی ویژن پروگرام میں آواز کانوں کے لئے اور تصویریں آنکھوں کے لئے ہوتی ہیں۔ گویا ریڈیائی اور ٹیلی ویژن پروگراموں میں استعمال ہونے والی زبان کانوں کے لئے ہوتی ہے۔ لوگ اسے سنتے ہیں۔ اگر ریڈیائی اور ٹیلی ویژن نشریات میں لمبے اور پیچیدہ جملے استعمال کئے جائیں تو ان کی ادائیگی میں بھی مشکل پیش آئے گی اور ان کو سمجھنا بھی دشوار ہوگا۔ جو زبان آنکھوں کی بجائے کانوں کے لئے ہو۔ وہ بول چال کے قریب ہونی چاہیئے۔ اور بول چال بھی ایسی جو خواص کی نہیں بلکہ عوام کی ہو۔ اگرچہ کانوں کے لئے استعمال ہونے والی زبان میں آواز لہجے اور الفاظ کی ادائیگی کا کردار بھی اہم ہوتا ہے۔ لیکن الفاظ کا انتخاب اور جملوں کی بناوٹ کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اچھی آواز یا اچھے لہجے سے طویل اور پیچیدہ جملہ آسان نہیں ہو جائیگا۔

اخباری صحافت اور ریڈیائی و ٹیلی ویژن صحافت میں یہ فرق بھی ہے کہ اخبار میں زیادہ اور مفصل خبریں چھپتی ہیں۔ لیکن ریڈیو یا ٹیلی ویژن سے صرف اہم اور منتخب خبریں ہی نشر اور ٹیلی کاسٹ ہوتی ہیں۔ ان اہم اور منتخب خبروں کو بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اسی

طرح ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے نشر اور ٹیلی کاسٹ ہونے والے تبصرے وغیرہ بھی اخباری تبصروں اور مضمونوں سے مختصر ہوتے ہیں۔ نشر یا ٹیلی کاسٹ ہونے والی خبریں، تبصرے اور مضمون وغیرہ لکھنے والوں کو یہ کمال حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مفہوم ادا کر دیں۔ اور آسان الفاظ اور چھوٹے جملے استعمال کریں۔ اس طرح ایک تو مقررہ وقت میں سامعین اور ناظرین کو زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں گی۔ دوسرے تمام باتیں ان کو سمجھ میں آجائیں گی۔

اخبار کے قاری کو یہ سہولت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنا دل پسند مواد جب چاہے پڑھ لے اگر ضرورت ہو تو اس کے بارے میں کسی سے تبادلۂ خیال کرے۔ کسی لفظ کا معنی نہ آتا ہو تو لغت دیکھ لے یا کسی سے پوچھ لے۔ لیکن ریڈیو کے سامعین اور ٹیلی ویژن کے ناظرین کو یہ سہولت حاصل نہیں ہوتی۔ وہ خبریں یا دوسرے پروگرام مقررہ وقت پر ایک ہی بار سن سکتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی لفظ، بات اشارہ یا جملہ ان کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ اسے دوبارہ سن کر سمجھنے کی کوشش نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہر اطلاع ہر بات ایک ہی بار واضح اور صاف طور پر کہی جانی چاہیئے اور ایسا کرنے کے لئے زبان اور ابلاغ کے مسلّمہ ماہروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک پرانا مقولہ ہے ؎

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(سر منڈانے والا ہر شخص قلندری نہیں جانتا)

اسی طرح ابلاغ کے کسی ذریعے سے وابستہ ہر شخص ماہر ابلاغ نہیں ہوتا۔ جدید ذرائع ابلاغ بہت مہنگے ذرائع ہیں۔ غریب ممالک میں کئی اور ضروری مصارف روک کر ان ذرائع پر بے اندازہ سرمایہ خرچ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اتنا سرمایہ صرف ہونے کے باوجود اگر یہ ذرائع مؤثر ابلاغ میں ناکام رہیں تو یہ ایک المیہ ہے، اس المیہ کے اسباب میں سے ایک سبب وہ زبان ہوتی ہے جو متعلقہ ذریعہ کے اصل تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہوتی۔

# حوالہ جات

HAYAKAWA, S. I. LANGUAGE IN THOUGHT AND ACTION

GEORGE ALLEN AND UNWIN LTD LONDON, 1963

۲۔ کیفی، دتاتریہ، برجموہن پنڈت، منشورات، انجمن ترقی اردو (ہند) ۱۹۴۸ء

۳۔ عبدالحق، مولوی۔ قواعدِ اردو

۴۔ اکبر آبادی مخمور۔ زبان اور اسلوب

۵۔ سروری، عبدالقادر۔ زبان اور علمِ زبان

۶۔ سلیم وحید الدین، مولانا، وضعِ اصطلاحات کا مسئلہ

۷۔ عارف، الہٰی، فضل۔ زبان دانی

۸۔ دانش، احسان، اردو مترادفات۔ مرکزی اردو بورڈ لاہور

۹۔ مانکپوری، جلیل۔ معیار اردو زبان۔ اردو کے محاورات

۱۰۔ جلال، علی، ضامن۔ سرمایہ زبان اردو

۱۱۔ صدیقی، ابواللیث، ڈاکٹر۔ بنیادی اردو۔ مرکزی اردو بورڈ۔ لاہور

۱۲- SCHRAMM WILBER THE PROCESS AND EFFECTS OF

MASS COMMUNICATION URBANA, UNIVERSITY OF ILLIO-

NS. 1954